

امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

ابوبکر المروزی کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) سے کہا:

کتنے زیادہ لوگ آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں، (یہ سن کر) ان کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور کہنے لگے مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ استدراج نہ ہو اور کہنے لگے: محمد بن واسع کہتے ہیں: اگر گناہوں کی بو ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی میرے پاس نہ بیٹھتا۔

مجھے یونس بن عبید نے بتایا کہ ہم محمد بن واسع کی عیادت کرنے کے لیے گئے، محمد بن واسع فرمانے لگے: جب میرے ہاتھ پاؤں پکڑ کر مجھے جہنم میں پھینکا جائے گا تب لوگوں کی باتیں مجھ سے کیا کفایت کریں گی۔ (الورع لابن بکر المروزی، ص: ۹۱)

توحید.....شرک

قرآن مجید نے بڑی سختی سے شرک کی مذمت کی ہے اور شرک کے لیے سخت سزا پر زور دیا ہے۔ شرک کو سب سے بڑا اور قبیح گناہ قرار دیا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ قرآن مجید نے توحید کو اسلام کی اور جملہ نیکوں کی بنیاد قرار دیا ہے۔ بنا بریں جو امر توحید کے عقیدے میں ضعف پیدا کرتا ہے وہ اسلام کی اصل الاصول (توحید) کے لیے قاطع اور مہلک ہے۔ شرک توحید کی ضدِ کامل ہے، اس لیے اس کی مذمت و عقوبت بھی زیادہ بیان کی گئی ہے، کیونکہ شرک کے بعد اسلام رہتا ہی نہیں اور دین کی جملہ مصلحتوں اور نیکوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ شرک کی بحث توحید کی بحث کے بغیر سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس لیے خدا کی خدائی میں گہرا اعتقاد رکھنے کے لحاظ سے اور تکمیلِ نفسِ انسانی کے لیے اس اساسی عقیدے کی ضرورت کے لحاظ سے (اور اس کے ضمن میں صدہا اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں اس کے اثرات فاضلہ کے نقطہ نظر سے) توحید کی حکمتوں اور فضیلتوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ یہ سمجھ میں آ جائے کہ عقیدہ توحید کے انکار یا اس میں ضعف آ جانے سے (جس کا دوسرا نام شرک ہے) انسان کیسے ہولناک ذہنی، نفسیاتی، اجتماعی، اخلاقی اور معاشرتی مہالک و خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ یہ صرف افراد ہی کے لیے بنیادی معاون عقیدہ نہیں، بلکہ اقوام و ملل کی تاریخ گواہ ہے کہ توحید کو نہ ماننے سے اقوام پر کس طرح تباہی آئی اور تہذیبیں اور معاشرتیں کس طرح تباہ و برباد ہوئیں۔ توحید اور شرک محض داخلی عقیدے نہیں۔ نفسِ انسانی کی سب سے بڑی کمزوری خوف اور وہم ہے اور اس کے خلاف توحید ایک نہایت مضبوط ہتھیار ہے۔ باطنی تکمیل کے سلسلے میں مؤثر کردار ادا کرنے کے علاوہ توحید خارجی طور سے بھی ایک اہم کردار ساز عقیدہ ہے۔ اس سے اوہام و شکوک کے ضعف انگیز اور یاس آفرین اثرات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ توحید یقین آفرین عقیدہ و فکر ہے اور اس کے مقابلے میں ”شرک“ وہم، ظن اور ضعف کا عقیدہ ہے۔ شرک، یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کسی اور کو سا جھی بنانا بھی انسان کی مذکورہ بالا جبلی و نفسیاتی کمزوری (خوف اور وہم) کا نتیجہ ہے۔ شرک اعتماد، امید اور قوتِ عمل کو ضعیف کر دیتا ہے اور ایسی چیزوں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے جو خود کمزور، ضعیف اور بے بس ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ آج کل کا سائنسی رویہ بھی تو ہماری سہاروں کا مخالف ہے اور اعتماد علی النفس پیدا کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی، خود کو اتنا مکمل اور کامل تسلیم کراتا ہے جو انسان کے بس میں نہیں۔ یہ خود پرستی بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ انسان بہر حال کمزور مخلوق ہے، کافی المہمات ذات صرف خدا کی ہے۔ یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے کہ انسان اپنی ذات اور وجود کو خدائی صفات کا حامل سمجھ لے۔ (محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَا لَهُ شَاكِرِينَ إِلَّا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لِهَذَا إِنَّهُ لَكَنُفُورٌ

سماریہ دست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

07 جمادی الثانی 1434 ھ جمعہ المبارک 19 تا 25 اپریل 2013ء

شماره 16 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم
- حماد الحق نعیم
- حافظ احمد شاہر

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد 0344-4656461

☆ جواہر پارے	امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تواضع
☆ کلمہ طیبہ	توحید..... شرک
☆ ادارہ	
☆ درس قرآن	موجوہ بحر ان قرآن وحدیث کی روشنی میں
☆ درس حدیث	”کتاب الایمان“..... (۴)
☆ تحقیق وتذقیق	حساب تقویم اور سنہ ہجری..... (۱)
☆ اصلاح معاشرہ	پانی، بجلی، ہونی گیس کا استعمال
☆ نقطہ نظر	ایک فلاحی مملکت کا خواب
☆ تذکرہ علمائے اہل حدیث	بابا جی عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ
☆ تبصرہ کتب	اہل حدیث ایک صفاتی نام
☆ شعر وادب	تلیحات

(محمد عطاء اللہ حنیف)	
(حافظ احمد شاہر)	2
(محمد عطاء اللہ حنیف)	4
(ابو جہرہ عبدالہمید الہری)	6
(مولانا عبدالرشید نعمانی)	8
(امام عبدالغنی)	15
(محمد سلیم چنیوٹی)	20
(سمیل احمد ہدیری)	22
(محمد سلیم چنیوٹی)	32
(شورش کاشمیری)	

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال
 ڈالر امریکی : 60/-



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

حسب توفیق

نبی اکرم ﷺ کفار مکہ کو جمع کر کے اعلان نبوت فرماتے ہوئے جب ان سے مخاطب ہوئے کہ لا الہ الا اللہ کہو تو انھوں نے اس دعوتِ توحید کا انکار اس لیے کیا کہ وہ توحید کا معنی اس کی تمام نزاکتوں کے ساتھ خوب جانتے تھے۔ انھیں یہ علم تھا کہ اسلام لانے کے بعد غیر اللہ کے سامنے کسی بھی قسم کا اظہارِ تعبد اسلام کے منافی ہوگا۔ جیسی تو وہ اسلام نہ لائے کہ یہ بات ان کے آباء و اجداد کے عقیدے کے خلاف تھی۔

تیرہ سال کی پُر آشوب مکی زندگی نے مسلمانوں کو ایک سبق یہ بھی دیا کہ ریاست اسلام کا مقصد نہیں بلکہ یہ اللہ کی مخلوق کی دینی و اخلاقی تربیت کر کے اس کو جہنم سے بچانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ تیرہ سال دعوت و تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب ہجرت کا حکم دیا تو مدینہ منورہ جا کر اسلامی ریاست یوں قائم ہوئی کہ مسلمانوں نے حقوق اللہ کی عملی تربیت بھی لی، حقوق العباد سے ان کو آگاہی بھی ہوئی اور نبی ﷺ دھیرے دھیرے اخلاقی فاضلہ کی تربیت بھی فرماتے رہے۔ اسلامی ریاست میں رفاہ و فلاح اسلامی کا عملی مظاہرہ بھی ہوا، مالی و معاشی معاملات کے اصول بھی طے فرمائے۔ داخلی امور پر گرفت کے بعد مدینہ منورہ کے گرد و آفاق مختلف قبائل سے معاہدات بھی فرمائے اور مسلمانوں کے ذرائع آمدن کی حرام و حلال کی حدود سے تعین فرمادی اور ان کو ایسا مستحکم کر دیا کہ وہ اصول و قواعد دین کے دائرے میں ہر دور کے وقتی تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے بنیاد بن گئے۔

تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اپنے اپنے منشور پیش کر دیے ہیں۔ ان میں ہر جماعت کی لن ترانیاں اور انہونیاں ہی انہونیاں ہیں۔ جنھیں نرم سے نرم لفظوں میں ناممکن سیاسی وعدے کہا جاسکتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے منشوروں میں دین و عقیدہ کا ذکر تو خیر کیا ہوتا تھا مذہبی جماعتوں کے منشوروں میں بھی دین و عقیدے کا ذکر اگر کہیں ہوگا بھی تو برائے وزن بیت ہی ہوگا کہ ہم نام کے مسلمان عقیدے کی حقیقت اور اس کے معانی کا ادراک ہی نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہمارے علمائے دین، اور دینی جماعتوں کا عقیدے کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں گیا۔ اب ان کے سیاسی منشوروں کو ملاحظہ کریں اور سورہ حج کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان حکمرانوں کو جو ذمہ داریاں بتلائی ہیں وہ ملاحظہ کریں:

”یہ مسلمان ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں جما (اقتدار) دیں (ان کی حکومت قائم کر دیں) تو یہ (۱) نماز کو درستی سے پڑھیں گے۔ (۲) زکوٰۃ دیں گے۔ (۳) اچھی بات (معروف) کا حکم دیں گے۔ (۴) بری بات (مکر) سے منع کریں گے۔“

سیاسی و مذہبی جماعتوں کے منشور بھی آپ اخبارات میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے ان میں کس جماعت نے منشور میں ان چاروں ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے؟ ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ میدان سیاست میں اتری ہوئی تمام دینی و سیاسی جماعتوں کا اصل مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے اس حصول مقصد کے لیے ہر سیاسی جماعت اور اب دیکھا دیکھی دینی سیاسی جماعتوں نے بھی یہی روش اپنائی اور یہی طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ ”حسب توفیق“ عوام کو بہلاؤ اور دودھ و شہد کی نہروں کے سبز باغ دکھلاؤ۔ یہ بات اب بتانے کی تو رہی نہیں کہ اقتدار کی راہداریوں میں تو ع ند اپنی خوشی سے آئے ند اپنی خوشی چلے، والی بات ہی ہوا کرتی ہے اور پھر یہ بات بھی کہ جس کا کھایا جائے گا گانا بھی اس کا مجبوری بن جاتی ہے اور احسان مندی کا حق بھی شاید یہی ہوگا تا کہ سندر ہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔

خیر بات چلی تھی انتخابی منشوروں اور منشور الہی کی تفصیلات کی۔ سیاسی جماعتوں کی خدمت میں کچھ بھی عرض کرنا بے سود ہے کہ سیاسی جماعتوں کے پشت پناہ تو ایک عرصے سے وطن کو لادین ریاست بنانے کی تگ و دو میں ہیں۔ اس سلسلے میں اس کی ایک تازہ مثال جانے والی پنجاب حکومت کا ایک افسوس ناک تعلیمی فیصلہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ایک مذہبی گھرانے کے فرزند ارجمند جناب میاں شہباز شریف نے محکمہ تعلیم میں دو غیر مسلم مشیر..... مائیکل باربر، ریمینڈ..... رکھے تھے جن کے یہودی

ہونے کی خبریں بھی عام ہیں۔ ان کے اختیارات کی حدود بھی بے پایاں تھیں حتیٰ کہ پنجاب کے وزیر تعلیم بھی ان کے سامنے تقریباً بے حیثیت ہوتے تھے۔ انھوں نے دسویں جماعت کی اردو لازمی کی کتاب کے حصہ نثر سے علامہ شبلی نعمانی کا ایک مضمون ”حضرت عمر فاروق ایک عظیم منتظم“، (۲) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کا مضمون ”نظریہ پاکستان“ خارج کر دیے۔ ان دواہم مضامین کے علاوہ ”مسدس حالی“، ”ایثار“، ”محروم وراثت“، ”فاطمہ بنت عبداللہ“، ”میں یونیورسٹی میں“ اور ”صاحب بہادر“ خارج کر دیے گئے ہیں، یعنی کتاب میں سے ہر اس مضمون کو نکال دیا گیا جس میں بچوں کا اپنے ماضی سے کوئی رابطہ رہے۔ کسی مسلمان حکمران سے اس کی عقیدت بڑھے، اسلام کے جذبہ ایثار کے کچھ خلیے اس میں پیدا ہو جائیں، علم کا شوق و مقصد اس کے سامنے اجاگر ہو جائے اور وہ بدیہی بننے سے بچ جائے۔ اسی طرح حصہ نظم سے حمد رب باری تعالیٰ ”رب کائنات“، ماہر القادری کی نعت ”محسن انسانیت“، علامہ اقبال کی نظم ”صدیق“، حفیظ جالندھری کی نظم ”ادائے قرض“ اور رفیق خاور کی ”شانِ تقویٰ“ خارج کر دی گئی ہیں۔ جو حکمران خادمِ اعلیٰ کے دعویدار اور اختیار کے کوڑے کا حامل ہونے کے باوجود اس حد تک ایسے آقا ناما مشیروں کے سامنے بے بس ہوں ان سے اسلام کے مقرر کردہ حدود و قیود کی پابندی کی توقع کیا رکھی جاسکتی ہے؟ ہمیں تو دینی جماعتوں کے قائدین کو یہ عرض کرنا ہے ان کو کچھ تھلا نا سورج کو چراغ دکھانا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر کردہ حکمران کی ذمہ داریوں میں سے وہ ان سب کو یا کسی ایک کو اپنے منشور میں شامل فرما کر فرض کفایہ ادا کر دیتیں لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

مذہب و مسلک کا فرق:

ان صفحات پر ہم کئی مرتبہ تحریر کر چکے ہیں کہ ہم آہنگی مسلک میں تو ممکن ہے مذہب میں ممکن نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں انبیاء علیہم السلام کی درجہ بہ درجہ فضیلتوں کا ذکر کیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنے سے بھی اس لیے منع کیا ہے کہ کفار اپنی لاعلمی کی بنا پر کہیں معبودِ برحق کی گستاخی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ صلیب مسلمانوں کو برداشت کا سبق دیتا رہتا ہے لیکن خود صلیب کا اسلام کے خلاف بغض بڑھتا اور اسلام ہمیشہ اس کے نشانے پر رہتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ مسلمان عیسائیت کو ہدفِ تنقید بھی نہ بنائیں اور ارضِ عالم میں صلیب کے اسلام و مسلمانوں پر ظلم و زیادتی اور جبر و جور پُر اف بھی نہ کریں۔ دین و اخلاق تو کجا مسلمانوں کی معاشی ترقی، سیاسی استحکام اور عسکری قوت بھی برداشت نہیں کرتا اور اس دکھ سے اس کا سینہ دائمًا جلتا اور اس کی زبان آگ اُگتی رہتی ہے۔ دین اسلام کا پھیلاؤ اور مسلمانوں کا سکھ اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ہمارے حکمران بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کی اکثریت عموماً علمِ دین سے نا آشنا اور بے بہرہ ہوتی ہے۔ اس لیے یہ اپنے آقاؤں کی چچوری ہوئی ہڈیاں یعنی کہے ہوئے جملے بول کر ان کی اثیر باد لینے میں کوشاں رہتے ہیں۔ جمہوریت کے عنوان پر جو اسلامی ممالک اس کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں پاکستان شاید ان میں ایک اہم ملک ہوگا۔ اس نے پاکستان میں جمہوریت کا ایسا نا سورا پھونکا ہوا ہے کہ ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے سب ہی اس کی زلف کے اسیر ہوئے یعنی ہر سیاسی و دینی راہنما، ہر سیکولر دانشور، ہر کالم نگار اور لکھاری بلکہ ہر کہہ و مہمہ جمہوریت ہی کا دم بھرتا اور مالا جھپتا ہے۔

انتخابات اس جمہوریت کا جزو لا ینفک ہوتے ہیں۔ انتخابات میں امیدوار مختلف بولیاں بول کر اور درمدرج خود ظنورہ مے سراند کے بقول خود ستائی کرتے ہوئے اسلام وغیرہ کا نام بھی لے کر ووٹ طلب کرتے ہیں۔ اگلے دن اخبارات میں شہہ سرخیوں کے ساتھ الیکشن کمیشن کی طرف سے یہ آرڈر جاری ہوا کہ مذہب و مسلک کی بنا پر ووٹ مانگنا جرم ہوگا جس پر دینی حلقوں اور اسلامی رجحان والی سیاسی پارٹیوں نے احتجاج کیا کہ پاکستان تو بنا ہی مذہب..... اسلام..... کے نام پر ہے تو یہ تضاد کیسا؟ آزاد بلکہ مادر پدر آزاد میڈیا میں گھسے ہوئے عمل گریز طبقے نے ”جرم“ کی خبر تو بہت نمایاں طور پر شائع کی لیکن جب دو دن بعد الیکشن کمیشن نے اس کی تردید کی کہ ہم نے مذہب کا نام نہیں لیا تو پہلی خبر پھیلانے والوں نے اس تردید کو یک کلمی غیر اہم خبر بنا کر شائع کیا۔ جو آزاد ذرائع ابلاغ، سیکولر دانشور اور دین سے خوف زدہ سیاستدانوں کے اس رجحان کی غمازی کرتا ہے کہ وہ وطن عزیز ”جس کو نظریاتی کہا جاتا ہے“ کو مادر پدر آزاد بنانا چاہتے ہیں جو باربرہ عیش و عشرت کا عالم دوبارہ نیست کا آئینہ دار ہو۔ مگر ان حکمرانوں کو اس کا ادنیٰ سا ٹیلر بھی کہا جاسکتا ہے۔

موجودہ بحران قرآن و حدیث کی روشنی میں

محمد عطاء اللہ حنیف

احادیث شریفہ:

عن معاویہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقدس امة لا يقضى فيها بالحق ولا ياخذ الضيف حقه من القوى غير متمتع - رواه الطبرانی ورواته ثقات (الترغيب والترهيب: ۱۷۱ / ۳، مجمع الزوائد: ۲۰۹ / ۵)

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ایسی امت کبھی باعزت نہیں ہو سکتی جس میں فیصلے حق و صداقت کے خلاف (جانبداری سے) کیے جائیں اور کمزور حق دار بغیر تکلیف اٹھائے اپنا حق نہ حاصل کر سکے۔“

عن عوف بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اني اخاف على امتي من اعمال ثلاثة قالوا وما هي يا رسول الله! قال زلة عالم وحكم جائر وهوى متبع . رواه البزار والطبرانی من طريق كثير بن عبد الله المذني وهو واه وقد احتج به الترمذی واخرج له ابن خزيمة في صحيحه وبقية رجاله ثقات . (الترغيب والترهيب: ۱۷۵ / ۳)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی امت کے بارے میں تین باتوں کا مجھے بہت ڈر ہے۔ اپنی امت کے کسی عالم (دین یا تعلیم یافتہ اور دانشور) کی (دور رس نتائج کی حامل) لغزش، ظالمانہ فیصلے اور ہواؤ ہوس کی پیروی۔“

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر (اقبال)

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَمْأَنُؤْنَ أَيَّامَهُمُ الْحِسَابِ﴾ [ص: ۲۶]

”اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو حق کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی، بے شک جو اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس کے سبب جو وہ حساب کے دن کو بھولے ہیں۔“

”طاوت“ بادشاہ کے انتقال کے بعد اور شمویل علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ دونوں نعمتیں اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو عطا فرمائیں۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے داود! اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام اور بادشاہوں کا تم کو نائب اس لیے مقرر کیا ہے کہ بغیر دل کی چاہ کے لگاؤ (یعنی ہواؤ ہوس) کے خالص حکم الہی کے موافق نبوت اور حکومت چلاؤ۔ اور دل کی چاہ کے لگاؤ (ہوائے نفسانی) سے تم کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ”ہواؤ ہوس“ حکم الہی کی فرمانبرداری سے دور ڈال دیتی ہے اور حکم الہی کی فرمانبرداری سے دور پڑ جانا ایسے لوگوں کا کام ہے جو قیامت کے حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کو بھول ہوئے ہیں۔“ (تفسیر احسن التفاسیر)



بری من ذمة الله وذمة رسوله ﷺ ومن مشى الى سلطان الله في الارض ليدله اذله الله مع ما يدخر له من الخزي يوم القيامة۔ وسلطان الله في الارض كتابه وسنة نبيه۔ ومن تولى من امر المسلمين شيئاً فاستعمل عليهم رجلاً وهو يعلم ان فيهم من هو اولى بذلك واعلم منه بكتاب الله وسنة رسوله فقد خان الله ورسوله وجميع المؤمنين الحديث رواه الطبرانی وفيه ابو محمد الجزري حمزه ولم اعرفه وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد: ۲۱۲/۵) رسول الله ﷺ نے فرمایا: جو شخص (یا پارٹی) باطل کو ابھار کر حق و صداقت کو دبائے تو اس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہ رہا اور جو شخص (یا پارٹی) قرآن و حدیث کو نیچا دکھانا چاہے گا وہ (آخر) (دنیا میں) ذلیل ہوگا۔ قیامت کے دن کی رسوائی جو ہوگی وہ تو ضرور ہوگی اور جس شخص (یا پارٹی) کے ہاتھ میں اقتدار آجائے پھر وہ کتاب و سنت کے بصیرت والے ماہرین کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو افسران حکومت بنا ڈالے تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور سب مسلمانوں کی (امانت میں) خیانت کی ہے۔“

دعائے صحت کی درخواست

میری عمر ۸۱ سال ہے۔ حادثے میں کو لہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی دو آپریشن ہوئے ہیں۔ گرم دوائیں کھانی پڑیں۔ اب جسم سے حدت ختم نہیں ہوتی، دونوں پاؤں سے تپش نکلتی ہے، منہ خشک رہتا ہے اور پاؤں سن ہو جاتے ہیں۔ دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (فیاض محمد فضا، فیض منزل، نیوالی پارک، مصری شاہ، لاہور۔ 03434545600)

..... بیہوشی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے:

((ولا حکم امرآؤہم بغير ما انزل الله الا سلط علیہم عدوہم فاستنقذوا بعض ما فی ایدیہم وما عطلوا کتاب الله وسنة نبيه الا جعل الله باسہم بینہم۔ رواہ الحاکم بنحوہ من حدیث بریدۃ وقال صحیح علی شرط مسلم . (الترغیب والترہیب: ۱۷/۳)

”جب مسلمان حکمران، قرآن و حدیث کے سوا دوسرے کسی طریقہ پر اپنے دستور و آئین کی بنیاد رکھیں گے تو ان پر ان کے دشمن مسلط ہو جائیں گے (اس قدر کہ) مسلمانوں کے علاقے ان سے چھین لیں گے نیز جب بھی مسلمان اللہ پاک کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول ﷺ کی حدیث کو (عملاً) معطل کر دیں گے اس وقت (اس گناہ کی یہ سزا ملے گی) وہ آپس میں الجھ پڑیں گے۔ (اور ہر شخص اور پارٹی ایک دوسرے کو پچھارنے کی کوشش کرے گی جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے۔“

..... عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال لا تزال هذه الامة بخير ما اذا قالت صدقت واذا حکمت عدلت اذا استرحمت رحمت۔ رواہ ابویعلی والطبرانی فی الاوسط وفيہ اسحاق بن یحیی بن طلحة وهو متروک .

(مجمع الزوائد: ۱۹۷/۵)

”ارشاد نبوی ہے کہ امت (محمدیہ) اس وقت تک خیریت سے رہے گی جب تک ان کی باتوں میں سچ رہے گا، فیصلے انصاف سے ہوں گے اور ترس و مہربانی اس کا شیوہ رہے گا۔“

..... عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من اعان بباطل ليدحض به الحق فقد

مؤلف: ابو بکر ابن ابی شیبہ

درس
حدیثتحفۃ الاخوان
ترجمہ
کتاب الایمان

ترجمہ: ابو حمزہ عبدالحمید المرئی

۶

۲۲۔ عن علقمة قال: ((قال رجل عند عبد الله: إني مؤمن! قال: قل: إني في الجنة! ولكننا نؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله.))
”علقمة سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن مسعود کے پاس کہا میں مومن ہوں، عبداللہ کہنے لگے، یہ بھی کہو میں (آخرت میں) جنت میں ہوں!! ہم تو (یوں کہتے ہیں) ہم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔“ (یعنی اپنے آپ کو مومن کہنے کو عبداللہ نے اچھا نہیں سمجھا۔)

۲۳۔ عن أبي وائل قال: [جاء رجل إلى عبد الله فقال: ((إني لقيت ربك فقلت: من أنتم؟ قالوا: نحن المؤمنون! قال: فقال: [ألا قالوا: نحن من أهل الجنة؟))

”ابو وائل رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، کہنے لگا میں ایک قافلے کو ملا، اور پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ہم مومن ہیں وہ آدمی کہتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا انھوں نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم جنت والوں میں سے ہیں۔“

۲۴۔ عن إبراهيم عن علقمة قال: ((قيل له: أمؤمن أنت؟ قال: أرجو.))

”ابراہیم کہتے ہیں علقمہ سے کہا گیا: کیا آپ مومن ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اُمید تو یہی کرتا ہوں۔“

۲۵۔ عن عبد الرحمن ابن عصفه أن عائشة

قال: ((أنتم المؤمنون إن شاء الله.))
”عبدالرحمن بن عصفہ سے مروی ہے کہ بے شک عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ان شاء اللہ تم مومن ہو۔“

۲۶۔ عن أبي عبد الرحمن قال: ((إذا سئل أحدكم أمؤمن أنت؟ فلا يشكن.))

”ابو عبدالرحمن کہتے ہیں: جب تم میں سے کسی ایک سے سوال کیا جائے کیا تو مومن ہے؟ وہ ہرگز شک میں نہ پڑے۔“

۲۷۔ عن عبيد الله بن زياد قال: ((إذا سئل أحدكم أمؤمن أنت؟ فلا يشك في إيمانه.))

”عبید اللہ بن زیاد کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک سے سوال پوچھا جائے کہ تو مومن ہے؟ تو ہرگز اپنے ایمان میں شک نہ کرے۔“

۲۸۔ عن موسى بن أبي كثير عن رجل لم يسمه عن أبيه قال سمعت ابن مسعود يقول: ((أنا مؤمن.))

”موسیٰ بن ابوکثیر ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ جس کا نام نہیں لیا گیا وہ آدمی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس کا باپ کہتا ہے کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ کہہ رہے تھے میں مومن ہوں۔“

۲۹۔ طاؤس عن أبيه، وعن محمد عن إبراهيم ((أنهما كانا إذا سئلا قال: آمنا بالله وملائكته وكتبه ورسله.))

”طاؤس اور ابراہیم سے روایت ہے جب دونوں سے

۳۳۔ عن سلمة ابن سبرة قال: خطبنا معاذ بن جبل فقال: ((أنتم المؤمنون وأنتم أهل الجنة.))

”سلمة بن سبرہ کہتے ہیں: ہم کو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تو کہا: تم مومن ہو اور تم جنت والے ہو۔“

۳۴۔ عن جعفر بن برقان قال: ((كتب إلينا عمر بن عبدالعزيز: أما بعد فإن عرى الدين، وقوائم الإسلام، الإيمان بالله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، فصلوا الصلاة لوقتها.))

”جعفر بن برقان کہتے ہیں کہ ہماری طرف عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: حمد وثنا کے بعد پس بے شک دین کا کڑا اور اسلام کی بنیادیں اللہ کے ساتھ ایمان لانا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہیں۔ سو تم نماز کو اپنے وقت میں ادا کرو۔“

۳۵۔ عن أنس أن نبي الله ﷺ قال: ((يخرج من النار من قال لا إله إلا الله، وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة، ثم قال: يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن برة، ثم قال: يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن ذرة.))

”انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر خیر ہوئی اسے آگ سے نکال لیا جائے گا، پھر فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر خیر ہوئی اسے بھی نکال لیا جائے گا، پھر فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر خیر ہوئی اسے بھی نکال لیا جائے گا۔“

(ایمان کے بارے) سوال کیا جاتا تو وہ دونوں کہتے ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ۔“

۳۰۔ عن الشيباني قال: لقيت عبد الله بن مغفل قال: فقلت إن أناساً من أهل الصلاح يعيبون علي [أن] أقول: أنا مؤمن! قال فقال عبد الله بن مغفل: ((لقد خبت وخسرت إن لم تكن مؤمناً.))

”شیبانی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں عبداللہ بن مغفل کو ملا، تو ان سے کہا بے شک اہل اصلاح میں سے کچھ لوگ مجھ پر عیب لگاتے ہیں کہ میں کہوں کہ میں مومن ہوں۔ شیبانی کہتے ہیں: عبداللہ بن مغفل نے کہا، تحقیق تو نامراد ہوا اور گھائے والا ہوا اگر تو مومن نہیں ہے۔“

۳۱۔ عن سوار بن شبيب قال: ((جاء رجل إلى ابن عمر فقال: إن ها هنا قوماً يشهدون علي بالكفر! قال: فقال: ألا تقول: لا إله إلا الله فتكذبهم.))

”سوار بن شبيب کہتے ہیں: ایک آدمی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور کہا: بے شک ہمارے ہاں کچھ لوگ ہیں وہ مجھ پر کفر کی گواہی دیتے ہیں، اس آدمی نے کہا عبداللہ کہنے لگے تو لا الہ الا اللہ کہہ کر ان کو جھٹلا کیوں نہیں دیتا۔“

۳۲۔ عن عبد الله بن يزيد الأنصاري قال: ((تسموا باسمكم الذي سماكم الله بالحنيفية، والإسلام والإيمان.))

”عبداللہ بن یزید الانصاری کہتے ہیں کہ تم اپنے نام ان ناموں کے ساتھ لو جو تمہارے نام اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں: ایمان، اسلام اور حنیفیت۔“

کیا حساب تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین ہو سکتا ہے؟

جناب مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

ان کے یہاں ہوتی ہے۔ اور اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ اختلاف مطالع کے اعتبار سے چاند دیکھنے میں مختلف ملکوں کے اندر ایک دودن کا فرق ہو جانا معمولی بات ہے۔ اس لیے ایک دودن کے معمولی فرق کی بنا پر مؤرخین کی تکذیب کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

رویت ہلال سے تعین اوقات:

”رویت ہلال“ سے تعین اوقات کی تعلیم خود قرآن عظیم میں موجود ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهِلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة: ۱۸۹]

”آپ سے لوگ نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے مقررہ اوقات ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات یا شرعی حسابات سب میں دنوں، مہینوں اور سالوں کی تاریخوں کا حساب رویت ہلال سے ہوگا۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی تفسیر بحر مواج میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

معنی آنست، بگوہائے نواز بدائع مخلوقات است، مردماں را علامات اوقات است کہ بداق تقدیر مناسبتہائے حلول وینہا و مدت عمر ما و مدت زنان و مدت حمل و اوضاع ایشان و ماہ رمضان کہ ماہ صیام است و ماہ عید کہ از شعائر اسلام است و حولان حول کہ شرط وجوب زکوٰۃ است و مانند آن بداند، و اقامت و طائف دنیا و دین و معرفت شہور و سنین بجا آوردن و محافظت کردن تو انند۔

فرنگیوں کے دور اقتدار سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کا عام رواج تھا، اور روزمرہ کی زندگی میں تمام چھوٹے بڑے واقعات کے سلسلہ میں ہم اسی سنہ کے ماہ و تاریخ کو استعمال کیا کرتے تھے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق تمام مسلمان مؤرخین واقعہ نگاری کے سلسلہ میں ہر دن کی وہی تاریخ قلم بند کرتے تھے جو اس روز ان کے یہاں رویت ہلال کے شرعی ثبوت کی بنا پر ہوتی تھی، لیکن فرنگیوں کے عہد اقتدار میں ہمارے ملک میں سنہ عیسوی میلادی کا اتنا رواج ہوا کہ اس نے ہماری روزمرہ کی زندگی میں وہی جگہ لے لی جو اس سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کی تھی اور اسی انقلاب کا اب یہ اثر ہے کہ ہمارے مصنفین جب گزشتہ واقعات کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو پہلے دن اور تاریخ کا تعین سنہ مسیحی میلادی سے کرتے ہیں، پھر اگر ضرورت ہوتی ہے تو کسی تقویم کی مدد سے جو اسی کلیہ حساب پر مبنی ہوتی ہے، جو سنہ مسیحی میلادی کے اعتبار سے دن اور تاریخ کے استخراج کے لیے وضع کیا گیا ہے، سنہ ہجری نبوی کے دن اور تاریخ کو مطابق کر دیتے ہیں۔ اس طرز عمل سے بعض لوگوں کو یہاں تک غلط فہمی ہو گئی ہے کہ مسلمان مؤرخین نے واقعات کے سلسلے میں جس دن اور تاریخ کا ذکر کیا ہے اگر وہ اس تقویم اور کلیہ حساب کے مطابق نہ ہوں تو قطعاً غلط ہیں، اسی غلط فہمی میں انھوں نے بہت سے مسلمہ تاریخی حقائق کا نہایت شد و مد سے انکار کیا ہے، جو سراسر ان کی نادانی اور علم تقویم سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ ”تاریخ ہجری“ میں مہینوں کا شمار ”رویت ہلال“ سے ہوتا ہے نہ کہ منجموں کے حساب و شمار سے، اس لیے تمام مسلمان مؤرخین واقعات کی تفصیلات بتاتے وقت اسی دن اور تاریخ کا ذکر کرتے ہیں جو رویت ہلال کے حساب سے اس وقت

اور دن اور تاریخ کی تعیین کے لیے ہمیشہ ”رؤیت ہلال“ کا اعتبار کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہمارے ملک میں سنہ عیسوی شمسی رائج ہے۔ یہ انگریزوں کے دور کی بری یادگار ہے اور عام مسلمانوں کا بلا ضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی کو اختیار کر لینا بڑے افسوس کی بات ہے۔

امت مسلمہ کے تمام فرقوں کا (باستثناء شیعہ اسماعیلیہ) اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام احکام شرعیہ کا دار و مدار ”رؤیت ہلال“ پر ہے، نہ کہ حرکت قمری کے حساب و شمار پر۔ علامہ مؤرخ مقریزی اپنی مشہور کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار میں لکھتے ہیں:

”اور تم جان چکے ہو کہ تاریخ ہجرت کے مہینے قمری ہیں، اور اس کے ہر سال کے ایام کی تعداد تین سو چون دن اور ایک گھنٹہ اور ایک سہس دن ہے۔ اور سارے اسلامی فرقوں کے نزدیک تمام احکام شرعیہ چاند دیکھنے ہی پر موقوف ہیں سوائے شیعہ (باطنیہ) کے کہ ان کے یہاں احکام شرعیہ کا دار و مدار سال کے ان مہینوں پر ہے جو حساب سے بنتے ہیں جیسا کہ قاہرہ اور ویان کے خلفاء کا تذکرہ میں تم کو معلوم ہوگا۔

پھر جب مجہمین اسلام کو ضروری چیزوں کے دریافت کرنے کی حاجت پیش آئی، جیسے ہلالوں کا معلوم کرنا یا سمت قبلہ وغیرہ کا پتا چلانا تو انھوں نے اپنی زبچوں (تقیویوں) کی بنا تاریخ عربی پر رکھی اور عربی سال کے مہینے اس طرح قرار دیے کہ ایک مہینہ کامل (یعنی تیس دن) اور ایک مہینہ ناقص (یعنی انتیس دن کا) اور سال کی ابتدا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں محرم سے رکھی۔ چنانچہ محرم کو تیس دن کا قرار دیا اور صفر کو انتیس دن کا اور ربیع الاول کو تیس دن کا اور ربیع الآخر کو انتیس دن کا، اور جمادی الاولیٰ کو تیس دن کا اور جمادی الآخر کو انتیس دن کا، اور ربیع الثانی کو تیس دن کا اور شعبان کو انتیس دن کا، اور رمضان کو تیس دن کا اور شوال کو انتیس دن کا، اور ذیقعدہ کو تیس دن کا اور ذی الحجہ کو انتیس دن کا، اور ایک دن کی اس

”معنی یہ ہیں کہ آپ فرمائیے، ماہنامے نورانی مخلوقات میں سے ہیں، یہ لوگوں کے لیے اوقات کی نشانیاں ہیں، جن کے ذریعہ وہ قرضوں کی میعاد کے مناسب اندازے، عمروں کی مدت، عورتوں کی عدت، ان کے خاص حالات، حمل کی مدت، ماہ رمضان جو روزوں کا مہینہ ہے، ماہ عید جو شعائر اسلام میں سے ہے۔ سال کا اتمام جو زکاۃ واجب ہونے کے لیے مشروط ہے، اور اسی طرح دوسری چیزیں معلوم کرتے ہیں اور دین و دنیا کے کاروبار، مہینوں اور سالوں کا پہنچانا اور ان کی نگہداشت کرنا انھی کی بدولت ان کے لیے ممکن ہوتا ہے۔“

وعلا مت وقت حج و زیارت بیت حرام کہ از معظمت ارکان اسلام است دو ماہ شوال و ذی القعدہ و دہ روز ذی الحجہ از غرہ شوال یعنی از عید فطر تا عید اضحیٰ، و دروے اعمال حج از سنن و واجبات و فرائض مووی شود۔

(تفسیر بحر مواج، ۲۰۹۱، طبع نوکلشور ۱۲۹ھ)

”نیز یہ حج و زیارت بیت اللہ کے وقت کی علامت ہے، جو اسلام کے بڑے ارکان میں سے ہے، یعنی شوال اور ذیقعدہ کے دو مہینے اور ذی الحجہ کے دس دن جو غرہ شوال یعنی عید فطر سے لے کر عید قربان تک کا زمانہ ہے، اسی زمانہ میں حج کے اعمال اور اس کے سنن و واجبات و فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔“

اگرچہ مواقیت کے عموم میں حج بھی آ جاتا ہے لیکن خاص طور پر اس کا دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حساب شمسی کے مطابق حج کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور حساب شمسی سے مطابقت کی غرض سے نسبی (لوند) سے کام لے کر قمری مہینوں میں اُدل بدل کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ حج کے بارہ میں بھی انھیں رؤیت ہلال سے حساب لگانے کا پابند بنا دیا، علماء نے تصریح کی ہے کہ رؤیت ہلال کا اہتمام و انضباط فرض کفایہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تمام کاروبار میں ماہ و سال

کسر کی بنا پر جو ایک خمس اور ایک سدس کی وجہ سے ہوتی ہے۔
ذی الحجہ میں ایک دن کا اضافہ اس طریقہ سے کر دیا کہ جب
یہ کسر نصف دن سے زیادہ ہو جائے تو اس سال کا ماہ ذی الحجہ
تیس دن کا ہوگا اور اس سال کو ”سال کبیسہ“ کہتے ہیں، اور
یہ سال تین سو پچپن دن کا ہوتا ہے اور ہر تیس سال میں کبیسہ
کے جملہ دن گیارہ ہوتے ہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

(تاریخ العرب، ص: ۳۰۵)

منجموں کے اصول پر تقویم سازی کا طریقہ:

اس تفصیل سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ منجمین نے جس
اصول پر اپنی تقویم کو مرتب کیا ہے وہ اور ہے اور مسلمانوں میں جس
اصول پر مہینوں کا شمار ہے وہ اور ہے، اسلامی شریعت کے اعتبار سے
سال کا ہر مہینہ ایک رویت ہلال سے شروع ہو کر دوسری رویت ہلال پر
ختم ہو جاتا ہے لیکن منجموں کے یہاں قمر کے بارہ دوروں کی مجموعی
مدت کو جو تین سو چون اور ایک خمس اور ایک سدس دن پر مشتمل ہے بارہ
حصوں میں تقسیم کر کے ان کے بارہ مہینے بناتے ہیں، اور چونکہ اس
مدت کی تقسیم بارہ مساوی حصوں پر بغیر کسر کے نہیں ہو سکتی اس لیے اس
کسر کو دور کرنے کے لیے انھیں پورے تیس سال کا حساب لگانا پڑتا
ہے، اور پھر تیس سال کے مجموعہ ایام کو حسب قاعدہ سابقہ اس طرح
تقسیم کرتے ہیں کہ پہلا مہینہ ہمیشہ تیس دن کا شمار کرتے ہیں اور دوسرا
ہمیشہ انتیس دن کا۔ البتہ سال کبیسہ میں ذی الحجہ کو بھی تیس ہی دن کا
مانتے ہیں اس کی تفصیل ابوریحان بیرونی کے الفاظ میں حسب ذیل
ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اور اسلامی تاریخ ہجرت جب ہمیں مطلوب ہو تو اس تاریخ
کے ایام مصلہ (ایام مصلہ سے مراد آغاز تاریخ سے لے کر
یوم مطلوب تک دنوں کی مجموعی تعداد ہے۔) کو قمر کے سنہ
وسطی پر جو تین سو چون دن اور ایک خمس اور ایک سدس دن کا
ہوتا ہے، ہم تقسیم کر دیں گے، اس طریقہ پر کہ پہلے ان کو تیس
میں ضرب دیں گے، کیونکہ تیس ہی وہ سب سے چھوٹا عدد
ہے جس میں خمس بھی ہے اور سدس بھی، اور پھر دس ہزار چھ سو

انتیس کے مجموعہ کو (جو تین سو چون کو تیس میں ضرب دینے
سے حاصل ہوتا ہے، مع ان گیارہ دنوں کے جو تیس خمس اور
تیس سدس کا مجموعہ ہیں) تقسیم کر دیں گے۔ اب جو خارج
قسمت ہوگا وہ مکمل قمری سال ہوں گے، اور جو باقی بچے گا وہ
وہ دن ہوں گے جو تیس میں ضرب دینے سے حاصل ہوتے
تھے۔ پھر جب ہم نے ان کو تیس پر تقسیم کر دیا تو تقسیم سے دن
بن گئے اب ایک ماہ کے لیے تیس دن لیں گے اور دوسرے
ماہ کے لیے انتیس، اور محرم سے شروع کریں گے اور جو باقی
پورا مہینہ نہیں بنتا تو وہ اس مہینہ کا گزرا ہوا حصہ ہے۔ زبچوں
(تقویموں) میں تاریخ کے نکالنے کے لیے اسی قاعدہ پر عمل
کیا جاتا ہے اور گو اس سلسلے میں مختلف طریقے استعمال میں
لائے جائیں لیکن ان سب کا مرجع یہی ایک اصول ہے۔
لیکن رویت ہلال پر یہ ممکن ہے کہ دو مہینے مسلسل انتیس
دن کے ہوں اور تین مہینے مسلسل تیس دن کے اور یہ بھی
ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری
مقدار مذکور سے زائد یا کم ہو جائے۔“

(الآثار الباقیة عن القرون الخالیہ، ص: ۱۴۳)

ابوریحان بیرونی علم ہیئت و ریاضی کا مسلمہ امام ہے۔ اس کی اس
تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویم کا یہ حساب نہ تو رویت ہلال کے
حساب کے موافق ہے اور نہ قمر کی حقیقی حرکت کے مطابق بلکہ اس
حساب میں تیس سال کے مجموعہ ایام کو بغیر اس کے کہ ان میں رویت
ہلال کا قمر کی حقیقی حرکت کا لحاظ رکھا جائے محض اپنی سہولت کی خاطر
فرضی طور پر اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ ہر طاق مہینہ ہمیشہ تیس کا مانا
جائے گا، اور ہر جفت مہینہ ہمیشہ انتیس کا، بجز ذی الحجہ کے کہ وہ سال
کبیسہ میں باوجود جفت ہونے کے تیس ہی کا شمار ہوگا۔ اس طرح ہر
تیس سال میں انیس سال بسیط تین سو چون دن کے ہوں گے اور
گیارہ سال کبیسہ تین سو پچپن دن کے۔

شریعت میں منجمین کے حساب کا کیوں اعتبار نہیں:

ابوریحان بیرونی کی اس تفصیل سے شریعت مطہرہ کی یہ حکمت بھی

تمام اجرام سماوی میں چونکہ آفتاب و ماہتاب سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ اس لیے دنیا کی تمام قوموں نے ماہ و سال کا شمار ان ہی دونوں کی گردش پر اس طریقے سے رکھا کہ شمس کی نسبت سے قمر کے ایک دور وضعی کو قمری ماہ بنالیا، یعنی شمس کے ساتھ جو قمر کی ایک وضع معین اور صورت خاص ہو، مثلاً اجتماع یا ہلال یا استقبال اس کو ماہ قمری کا مبداء مانا اور دوبارہ اسی وضع معین اور صورت خاص پر قمر کے آجانے کو اس کا منتہا اور ان دونوں اجتماعوں یا دونوں ہلالوں یا دونوں استقبالات کے درمیانی زمانہ کو ماہ قمری سے موسوم کیا۔ جس طرح ہماری شریعت میں ایک ہلال سے ماہ کا آغاز قرار دیا گیا اور دوسرے ہلال پر اس کا اختتام اور ان دونوں ہلالوں کی درمیانی مدت کو خواہ وہ تیس دن میں تمام ہو یا اسی دن میں ایک ماہ شمار کیا ہے۔ پھر اسی طرح بارہ قمری مہینوں کو ایک سال کہنے لگے۔ اور شمس کی ایک گردش یعنی منطقۃ البروج کے ایک نقطہ معینہ مثلاً اوّل برج حمل سے جدا ہو کر دوبارہ اسی نقطہ پر آفتاب کے آجانے کو سال شمسی قرار دیا۔ اور چونکہ آفتاب کی گردش بارہ برجوں پر منقسم ہے۔ اس لیے ہر برج کے طے کرنے میں آفتاب کو جو عرصہ لگتا ہے اس کو ماہ شمسی بنایا۔ پھر منجموں نے تقویم بنانے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر ہر ماہ و سال کی خواہ وہ قمری ہوں یا شمسی دو قسمیں قرار دیں۔ ایک حقیقی، دوسری اصطلاحی۔ جس کو وسطی بھی کہا جاتا ہے۔

حقیقی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش کا پوری طرح لحاظ ہو، اور ان کی وضع خاص اور برج کی تقسیم اور حرکت کے اعتبار سے مدت کی تعیین ہو، مثلاً ماہ حقیقی قمری وہ ہے جس میں دونوں ہلالوں کے درمیانی زمانہ میں ایک ساعت یا ایک دقیقہ کی بھی کمی بیشی نہ ہو، جس طرح ہماری شریعت میں ماہ کا شمار ہوتا ہے، اور سال حقیقی قمری وہ ہے جو بارہ ماہ ہائے حقیقی قمری سے ذرا کم و بیش نہ ہو، جیسا کہ ہماری شریعت میں ہے۔ اسی طرح ماہ حقیقی شمسی وہ ہے جس کا زمانہ آفتاب کے ایک برج معین میں رہنے کے بالکل برابر ہو، اور سال شمسی حقیقی وہ مدت ہے جو آفتاب کے ایک مکمل دورہ کے عین مطابق ہو، اور ماہ اصطلاحی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش حقیقی کا لحاظ نہ ہو بلکہ ہر مہینہ کے لیے ایام

معلوم ہوئی کہ اس نے سال کے بارے میں منجمین و اہل تقویم کے حساب کا کیوں اعتبار نہیں کیا، اور اس کی بجائے رویت ہلال کو مدارِ تاریخ ٹھہرایا، اور آنحضرت ﷺ نے صاف لفظوں میں اعلان فرمایا کہ ((جعل الله الالهة مواقيت للناس فصوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما.)) (المستدرک: ۱/ ۴۲۳ طبع دائرة المعارف، دکن)

”اللہ تعالیٰ نے ہلالوں کو لوگوں کے لیے اوقات کی تعیین کا ذریعہ بنایا ہے، لہذا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور جب مطلعِ آبرآلود ہو تو تیس دن شمار کرو۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے وہ حقائق سے قطع نظر کر کے منجموں کے فرضی حساب کا کیوں پابند ہوتا۔ دین اسلام میں اوقاتِ عبادات کی بنیاد حقائقِ ثابتہ پر رکھی گئی ہے جن کے معلوم کرنے میں سب کے لیے سہولت ہے۔ اسلام کا قانون عدل و مساوات اس بات کا روادار نہیں کہ عبادات کی بجا آوری تو سب پر یکساں فرض ہو مگر ان کے اوقات کا معلوم کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ ہو بلکہ خاص منجمین اور موقتین کا حصہ ہو۔ اسی حکمت کی بنا پر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اوقاتِ نماز کا تعیین آفتاب کی گردش سے متعلق کیا ہے اور سال و ماہ و روز کی تعیین رویتِ ہلال سے کی ہے، ورنہ اگر ہماری شریعت میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح شمسی حساب کا اعتبار ہوتا یا قمری سال کی بنا رویتِ ہلال کی بجائے تقویم پر رکھ دی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ساری امت اپنے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں منجمین و موقتین کی محتاج ہو کر رہ جاتی۔ جو حساب ان کو اوقاتِ عبادات بتایا کرتے اور عید بقرعید، روزہ اور حج وغیرہ کیا یام کا پہلے سے تعیین کر دیا کرتے، اس طرح مذہبی ارکان کی ادائیگی کی اجارہ داری ایک خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو جاتی۔ اور اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کا ایک سلسلہ چل پڑتا۔ جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے اور جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تقویم کا حساب فرضی ہے:

ہم نے تقویم کے حساب کو جو فرضی کہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ

معینہ کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے، مثلاً: کسی مہینہ کو انتیس کا اور کسی کو تیس کا اور کسی کو اکتیس کا مقرر کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ مہینہ کی یہ مقدار کبھی ماہ حقیقی سے زیادہ ہوگی اور کبھی کم، اور جو سال ان بارہ اصطلاحی مہینوں سے مرکب ہو وہ سال اصطلاحی کہلاتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب آپ ابو الفضل کا یہ بیان پڑھیے:

واہل حساب رویت رانظر انداختہ ماہ قمری را بروگو نہ ساختہ اند، حقیقی و آن از ہنگام دوری ماہ از وضع معین بآفتاب چوں اجتماع یا استقبال یا جز آن تا باز بدان رسد، و اصطلاحی چوں حرکات قمر مختلف باشند ضبط آن و شوار و چہاں مشکبا، پس بحرکت وسطی قرار دادند و لختے کا آسان شد۔

”اور اہل حساب نے رویت کو نظر انداز کر کے ماہ قمری کی دو قسمیں کی ہیں: ایک حقیقی جو چاند کے آفتاب سے ایک وضع مدین جیسے (ایک برج میں دونوں کے) اجتماع یا (بالکل مقابل برجوں میں) دونوں کے آمنے سامنے ہونے یا کسی اور وضع معین سے دور ہو کر پھر اسی وضع معین پر آ جانے کا نام ہے۔ دوسرے اصطلاحی چونکہ چاند کی گردش مختلف ہوا کرتی ہے اور اس کا پوری طرح حساب کرنا اور اس کی شکلوں کو محفوظ رکھنا دشوار ہے۔ اس لیے حرکت وسطی سے اس کا حساب لگا کر کچھ کام آسان ہو گیا۔“ (آئین کبریٰ، ص: ۲۳۰ طبع دہلی)

اس کے بعد ابو الفضل نے زبچہ بنانے کا وہی قاعدہ بتایا ہے جو مقریزی اور بیرونی کے بیانات میں ابھی آپ کی نظر سے گزرا۔

اب ظاہر ہے کہ اہل حساب نے جب اپنی تقویہوں میں رویت کو نظر انداز کیا اور ماہ و سال حقیقی کو سرے سے چھوڑ دیا اور شمس و قمر کی گردش کا خیال نہ کیا تو ان کا حساب فرضی نہ ہوا تو کیا ہوا، اباب تقویم کے اس حساب کی حقیقت بس اتنی ہے کہ تیس سال میں قمر کے تیس دورے پورے ہو جاتے ہیں اور ان تیس سالوں میں انتیس سال تین سو چون دن کے ہوتے ہیں اور گیارہ سال تین سو پچپن دن کے۔ لیکن ان میں کون سا قمری سال تین سو چون دن کا ہوگا اور کون سا تین سو پچپن

دن کا۔ اس کی تعیین ان کے بس کی بات نہیں اور یہ جو زبچہ نگاروں نے ان گیارہ سالوں کی اس طرح تعیین کی ہے کہ

”دور ہر سی سال یا زدہ بار ذی الحجہ را سی روز گیرند و ایں سالہا را سال کبیسہ نامند و آن سالہا ۲، ۴، ۵، ۱۰، ۱۳، ۱۵، ۱۸، ۲۱،

۲۳، ۲۶، ۲۹ است۔“ (زبچہ بہار خانی، ص: ۵۰)

وہ محض فرضی ہے کوئی ضروری نہیں کہ ان ہی سالوں کے ایام تین سو پچپن دن کے ہوں۔ جیسا کہ ذی الحجہ کا ان سالوں میں تیس دن کا ہونا قطعاً ضروری نہیں، بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی سال تین سو چون دن کا ہو اور بقیہ انیس میں سے کوئی تین سو پچپن کا۔ جس طرح کہ تقویم میں جن مہینوں کو تیس دن کا بتایا ہے ان کا تیس ہی دن کا ہونا یا جن کو انتیس دن کا بتایا ہے ان کا انتیس ہی دن کا ہونا ضروری نہیں۔ اسی لیے امام فن بیرونی نے تقویم سازی کا اصول بتاتے ہوئے آخر میں تصریح کر دی ہے کہ

رویت ہلال کے اعتبار سے ممکن ہے دو ماہ مسلسل انتیس انتیس دن کے ہوں اور تین ماہ مسلسل تیس تیس دن کے اور بالکل ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے (جو تقویم میں قرار دی گئی ہے) زائد یا کم ہو جائے۔“

تقویم کا حساب حقیقی جب ہوتا جب کہ چاند کی حقیقی حرکت کا انضباط متحین کے لیے آسان ہوتا۔ حالانکہ ابو الفضل کا یہ اعتراف بھی آپ کی نظر سے گزرا کہ

”حرکات قمری مختلف باشند ضبط آن و شوار و چہاں مشکبا۔“

(آئین کبریٰ، ص: ۲۳۰)

ابو الفضل کے اعتراف عجز کی وجہ بیرونی سے سنیے جو اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں شیعہ اسماعیلیہ کے حساب تقویمی کا محاسبہ کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہے:

”اور عرب مہینے کی ابتدا رویت ہلال سے کرتے ہیں اور اسی طرح اسلام میں مشروع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سال کے چھ مہینے کامل تیس دن کے۔ اور چھ مہینے ناقص (یعنی انتیس دن کے) ہوتے ہیں اور ہر ناقص مہینہ کامل کے معاً بعد ہوتا ہے جیسا کہ زیچوں میں معمول ہے اور ان کتابوں میں مذکور ہے جو علل زج کی طرف منسوب ہیں (یعنی جن پر زج تیار کرنے کے وجوہ بیان ہوتے ہیں، پھر جب ان لوگوں نے اول رمضان یا عید کو معلوم کرنا چاہا تو اکثر حالات میں اس کے واجب ہونے سے ایک دن پہلے کا دن نکالا تو انھوں نے کہہ دیا کہ ماہ رمضان تیس دن سے کم کا نہیں ہوتا۔ لیکن اصحاب ہیئت اور جن لوگوں نے پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ رؤیت ہلال ہمیشہ ایک طریقہ پر ممکن نہیں، کیونکہ قمری حرکت مرئی کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز اور کبھی وہ زمین سے قریب ہوتا ہے اور کبھی دور اور کبھی وہ شمال و جنوب میں حالت صعود میں ہوتا ہے اور کبھی حالت ہبوط میں اور یہ سب حالات فلک البروج کے ایک ایک نقطہ پر اس میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مترادف یہ ہے کہ فلک البروج کے بعد قطعہ جلدی غروب ہو جاتے ہیں اور بعض دیر میں اور عرض البلد کے اعتبار سے بھی اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور ہواؤں کے اختلاف سے بھی۔ کیونکہ بعض ملکوں کی ہوا طبعی طور پر صاف ہوتی ہے اور بعض میں ہمیشہ بخارات کے اختلاط کی وجہ سے کدورت رہتی ہے اور بعض کی فضا اکثر غبار آلود ہی رہتی ہے۔ نیز موسم کے لحاظ سے بھی ہواؤں میں اختلاف ہوتا ہے، کسی موسم میں اس میں کثافت آ جاتی ہے، کسی موسم میں رقت رہتی ہے۔ نیز دیکھنے والوں کی نگاہ میں بھی تیزی اور در ماندگی کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے اور قمر کے یہ سب مختلف احوال اور طرح طرح کے قرانات ہر ماہ رمضان و شوال کی ابتدا میں بے شمار اشکال اور غیر محدود احوال پر ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ماہ رمضان انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا، اور یہ سب حالات عرض البلد کے گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے

”لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقررہ ہیں۔“

پھر چند سال سے ایک نئی پودا آئی ہے، اور ایک نمایاں جماعت نمودار ہوئی ہے اور ایک جاہلی فرقہ ابھرا جو اپنے خیال میں ظاہر پر عمل کرنے والوں کے سبب سے تاویل کو اختیار کرتے ہیں، اور اس پر فریفتہ ہیں، ان لوگوں نے یہود و نصاریٰ کو دیکھا کہ ان کے پاس تو گوشوارے اور حسابات موجود ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے مہینوں کو نکالتے ہیں۔ اپنے روزوں کو معلوم کرتے ہیں اور مسلمان رؤیت ہلال پر مجبور ہیں اور چاند میں روشنی آ جانے کی تلاش میں رہتے ہیں کہ قمر کے نصف مرئی اور نصف مستور میں کس قدر اشتراک نور ہوا ہے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ وہ اپنی پوری کوشش چاند کے مقامات پر غور کرنے کے اور اس کے مغارب و مواقع کے ڈھونڈنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ پھر بھی ان میں شک اور اختلاف رہتا ہے اور اس میں وہ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اصحاب علم ہیئت کی طرف رجوع کیا جنھوں نے اپنی زیچوں اور کتابوں کو طرح طرح کے حسابات اور مختلف گوشواروں کے ساتھ اس طرح مرتب کیا تھا کہ ان کے آغاز ہی میں عربی مہینوں کے اوائل کی معرفت کا بیان ہے، اس لیے انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ زچیں رؤیت ہلال کے لیے بنائی گئی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ان میں سے بعض حسابات اور گوشواروں کو لے کر حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا اور یہ خیال قائم کیا کہ یہ بھی اسرار نبوت میں سے ایک راز ہے، حالانکہ سب حسابات شمس و قمر کی حرکات وسطی (یعنی حرکات اصطلاحی غیر حقیقی) پر مبنی ہیں، نہ کہ حرکات مرئیہ پر جو حقیقی ہیں۔ نیز یہ زچیں اسی اصول پر بنائی گئی ہیں کہ سال قمری تین سو چوبیس دن اور ایک خمس اور سوس دن کا ہوتا ہے اور

پر ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ طول البلد کے ہر جز کے لیے مستقل حسابات اور نقشے تیار کریں۔ غرض ایسی صورت میں ان لوگوں کا دعویٰ کہ رمضان کا مہینہ ہمیشہ تیس ہی دن کا ہوتا ہے اور تمام معمورہ ارض میں اس کا اوّل و آخر ہمیشہ یکساں ہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کا گوشوارہ بتاتا ہے صحیح نہیں ہے۔“ (ص: ۶۲۳ تا ۶۲۴)

آگے چل کر اسی کتاب میں جہاں ہجری قمری مہینوں کے اوائل کو معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے:

”لیکن (ریاضی کے اصول پر) رویت ہلال کی تحقیق میں بڑی طوالت اور دشواری ہے اس کے لیے سخت اعمال اور بہت سے گوشواروں کی ضرورت ہے، اس لیے جو کچھ محمد بن جابر بتانی اور جش حاسب کی زیچ میں ہے اس پر اکتفا کیا جائے اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے۔“ (ص: ۱۹۲) (جاری ہے)

مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کبھی شمالی ملکوں میں ایک مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے اور وہی مہینہ جنوبی ممالک میں انتیس کا اور کبھی اس کے بالکل برعکس۔ پھر یہ بھی ہمیشہ ایک نظم پر نہیں چلتا، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مخصوص مہینہ بارہا مسلسل یا غیر مسلسل ایک ہی حالت پر چلتا رہتا ہے۔

اگر ان گوشواروں اور حسابات کے لحاظ سے ان کا عمل صحیح بھی ہو اور وہ رویت ہلال سے متفق ہو جائے یا ان کے اصول پر ایک دن پہلے بنے تب بھی ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر عرض البلد کے لیے ایک علیحدہ نقشہ بنائیں۔ اگرچہ رویت ہلال میں اختلاف محض عرض البلد ہی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ طول البلد کو بھی اس اختلاف میں بہت بڑا دخل ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض ملا میں چاند نظر نہیں آتا اور جو ممالک اس سے مغرب میں قریب ہوتے ہیں وہاں نظر آ جاتا ہے اور کبھی دونوں جگہ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس بنا

دس کتابیں مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور
کی طرف سے اہم اعلان

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے درج ذیل دس کتابیں مفت زیر تقسیم ہیں:

- | | | |
|---------------------------------|---|--------------------------|
| ۱: طلاق قرآن و سنت کی روشنی میں | ۲: مسلک اہل حدیث پر ایک نظر | ۳: صراطِ مستقیم کی پہچان |
| ۴: کتاب الکبائر | ۵: مسائل رمضان المبارک | ۶: مسائل زکاۃ |
| ۷: مسلمانوں کے شب و روز | ۸: عقیدہ کی خرابیاں اور ان سے بچنے کے طریقے | |
| ۹: آداب نماز | ۱۰: حرزِ اعظم | |

خواہش مند حضرات مبلغ پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ برائے ڈاک خرچ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔ ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا معروف فورکٹر مدلل رنگین اور خوب صورت مکمل سیٹ منگوائیں اور فریم کروا کر مساجد میں آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی ترویج کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنا ضروری ہے۔ لٹرچر کی تقسیم پندرہ شعبان تک جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

(مولانا) محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ موبائل: 0333-8556473

پانی، بجلی، سونے گیس کا استعمال

امام عبدینب

اکثر و بیشتر یہ اشیاء بغیر ضرورت بھی آن رہتی ہیں۔ بلا ضرورت بلب جلتے رہتے ہیں۔ پنکھے چل رہے ہیں۔ چولہا، ہیٹر جل رہا ہے۔ ٹی وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر آن ہے۔ ایسے میں نقصان کس کا ہوتا ہے؟ ہمارا اپنا..... ہمارے کفیل مرد کا..... یا ہمارے ملک کا.....؟ غور کریں بجلی اور سونے گیس ہمارے پاس امانت ہے۔ ہم اس امانت کے کئی پہلو سے جواب دہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی امانت:

بجلی اور سونے گیس اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ جب یہ نہ ہوں، کسی وجہ سے ان کی فراہمی رک جائے تو پھر ہمیں ان کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے نہ ہونے سے ہمارے اکثر و بیشتر کام رک جاتے ہیں۔ پھر ہم اس نعمت کی قدر کیوں نہیں کرتے۔ احسان مندی اور قدر شناسی کا تقاضا تو یہی ہے کہ انہیں قیمتی اور ضروری سمجھ کر بقدر ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔ ورنہ اللہ نے یوم آخرت حساب تو لینا ہی ہے کہ

﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التكاثر: ۸]

”اس دن تم نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے۔“

ملک کی امانت:

بجلی اور سونے گیس ہمارے پاس ہمارے ملک کی بھی امانت ہیں۔ ہماری حکومت نے اسے ہماری سہولت کے لیے مہیا کیا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہمیں یہ سہولتیں مہیا کرے۔ کیا عوام کا فرض نہیں کہ وہ بقدر ضرورت ہی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ جب بغیر ضرورت انہیں استعمال کریں گے تو ملکی وسائل پر بوجھ پڑے گا۔ پھر ہم اشد ضرورت کے وقت بھی اس کی فراہمی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ نہ

گھر عورت ہی سے آباد ہوتا ہے، اسی لیے اسے گھر والی کہتے ہیں اور نکاح کرنے کو خانہ آبادی..... عورت کو اللہ تعالیٰ نے گھر کی سلطنت کا وزیر بنایا ہے۔ وہ یہ بوجھ شروع ہی سے اٹھاتی چلی آرہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت بھی دی ہے۔

چونکہ عورت گھر کی مالک ہے لہذا اس سے اس کے گھر کے افراد، اشیاء اور تہذیب کے بارے میں اس دن سوال ہوگا جب تمام لوگ اللہ کے حضور اس کی نعمتوں کی جواب دہی سے گزریں گے۔

(دیکھیے مسلم، کتاب الامارہ)

عورت چاہے تو گھر کی تہذیب اور ترتیب کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مرتب کرے۔ اسوہ صحابیات کی روشنی میں گھر کا انتظام و انصرام کرے، چاہے تو اسے دور جدید کی لاندہب چکا چونند سے سجا بنا لے۔ اسے اس کا پورا اختیار حاصل ہے۔ گھر داری ہی کے سلسلے میں چند امور کی طرف اپنی بہنوں کو متوجہ کرنے کے لیے یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔

بجلی اور سونے گیس کا استعمال:

بجلی اور سونے گیس دورِ حاضر میں سہولت کا اہم ذریعہ ہیں۔ واشنگ مشین، جوسر، گیزر، ہیٹر، واٹر پمپ، استری، لیمپ، پنکھے، روم کولر، ایئر کولر، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹی وی، کمپیوٹر، سلائی مشین غرض بہت سی گھریلو استعمال کی اشیاء بجلی یا سونے گیس سے چلتی ہیں۔

غور کیا جائے تو دورِ حاضر میں یہ ہمارے بے زبان خادم ہیں جو بجلی یا سونے گیس کی خوراک کے سہارے ہمارے مشکل مشکل کام منٹوں میں کر دیتے ہیں۔ لیکن کیا ہم انہیں بوقت ضرورت ہی استعمال کرتے ہیں..... ذرا سوچیں تو.....

..... یا اس کی اپنی ضرورت پر..... یا اللہ کے بندوں میں سے کسی کی ضرورت پوری کرنے کے کام آئے گی۔ ورنہ کل کو ہمیں اپنے کفیل مرد کی اس امانت کا بھی حساب دینا پڑے گا۔

ہمارا اپنا نقصان:

غور کیا جائے تو بجلی اور سوئی گیس کا بلا ضرورت استعمال کرنا، ہمارے ملک اور ہمارے کفیل مرد کا نقصان تو ہے ہی..... ہمارا اپنا نقصان بھی ہے کیونکہ ملک بھی ہمارا ہے اور کفیل مرد بھی ہمارے ہی عزیز..... بالفرض کمائی ہماری ذاتی بھی ہو تو نقصان ہمارا ہی ہے۔

تقریبات اور ٹیوب لائٹیں:

تقریبات پر ٹیوب لائٹیں ایک عام رواج بن چکا ہے۔ جب کہ یہ ہماری قطعاً کوئی ضرورت نہیں..... نیز دکاندار دکان پر..... اور پھر لوگ اپنی عمارتوں پر رات کے وقت بلا ضرورت لائٹنگ کرنا یا غیر ضروری بتیاں جلانا ایک مشغلہ سمجھتے ہیں۔ یہ جہاں ملک کا سرمایہ ضائع کرنے والی بات ہے۔ وہاں ایک غیر شرعی رواج بھی ہے۔ اسلام اس کی ہمیں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

غیر ضروری روشنیاں کرنا یا آگ جلانا، آتش پرستوں اور غیر مسلم اقوام کا شیوہ ہے۔ مسلمانوں کا یہ دستور نہیں ہے ہمیں تو یہ حکم ہے۔

﴿لَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

[الانعام: ۱۴۱]

”تم حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

نیز یہ کہ

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

[بنی اسرائیل: ۲۷]

”بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔“

مزید نقصانات:

بجلی اور گیس کے آلات کم استعمال ہوں تو حادثات کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔ اگر زیادہ استعمال کریں تو حادثات کا امکان بھی زیادہ

معلوم کتنے ہی ضرورت مند متاثر ہوں گے۔ کتنی ہی فیکٹریاں اور ہسپتال..... کتنے ہی اہم اور حساس ادارے بجلی اور سوئی گیس مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا شکار ہوں گے۔ ملک کے اس حق امانت کا تقاضا ہے کہ ان سے اتنا ہی فائدہ اٹھائیں جتنی ہمیں ان کی حقیقی ضرورت ہے۔ باقی حصہ ہمارے دوسرے مسلمان بہن بھائیوں کا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بازار کا گشت لگایا کرتے تھے۔ جس شخص کو دو دن مسلسل گوشت خریدتے دیکھتے اسے گوشت کا خرید سے روک دیتے اور کہتے تم نے اپنے بھائی کے لیے کفایت شعاری سے کام کیوں نہیں لیا..... (سیرت عمر رضی اللہ عنہ..... از ابن جوزی)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس رویے سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہمیں چیزوں کا استعمال بقدر ضرورت اور کفایت شعاری سے اس لیے بھی کرنا چاہئے کہ ہمارے دیگر بہن بھائیوں کو ان کی کمی نہ آئے اور وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔

ہمارے کفیل مرد:

ہمارے کفیل مرد (باپ، بیٹا، شوہر جو بھی ہو) ہماری ضروریات ہمیں مہیا کرنے کے اللہ کی طرف سے ذمہ دار ہیں۔ وہ ہمیں خون پسینے کی کمائی سے سب کچھ فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بجلی یا سوئی گیس کا بل اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ ضرورت پر خرچ کی ہوئی چیز کا بل تو خیر درست..... لیکن غیر ضروری خرچ ہم کریں اور بل ہمارے مرد ادا کریں۔ گویا یہ مرد کی جیب پر غیر ضروری بوجھ ہے۔ اگر ہم غیر ضروری خرچ بچائیں گی تو مرد مزید کمائے کی مشقت سے بچ جائے گا۔ عین ممکن ہے کہ وہ ہمارے زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے اپنی آمدنی کو بڑھانے کے لیے کسی حرام ذریعے کا سہارا لینے پر مجبور ہو جائے اور جہنم کی آگ اپنے لیے خرید لے۔ اس لیے اس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم کم خرچ کریں تاکہ وہ حرام سے بھی بچ جائے اور دماغی اور جسمانی تھکان سے بھی کافی حد تک محفوظ رہے..... نیز اس کی بچی ہوئی رقم..... ہماری ہی کسی اور ضرورت پر

☆ جو کتاب ضرورت سے زائد ہے اسے مطالعہ کے لیے کسی اور کو دے دیں۔ یہ بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

☆ دیگر تمام اخبارات، رسائل، درسی کتب وغیرہ میں سے آیات و احادیث کو الگ کر لیں۔ ان کے لیے کوئی ڈبہ یا تھیلا مخصوص کر لیں۔ بعد ازاں جلا دیں۔ دریا میں بہا دیں۔ اکثر گھمبوں کے ساتھ اور مساجد میں مقدس اوراق ڈالنے کے لیے ڈبے ہوتے ہیں۔ ان میں یہ کاغذات ڈال دیا کریں۔

☆ بقیہ کاغذات روٹی کی صورت فروخت کر دیں۔

☆ ضروری خطوط، دعوت نامے، خرید شدہ اشیاء کی رسیدیں، بجلی، گیس اور فون کا بل وغیرہ..... ان سب کے لیے علیحدہ علیحدہ لفافے بنالیں۔

☆ بہت سے کاغذات ایسے بھی ہوتے ہیں جو خالی ہوتے ہیں۔ روٹی دیتے ہوئے انہیں دیکھ بھال کر نکال لیں اور استعمال میں لائیں۔ کاغذ ایک نعمت بھی ہے اور قیمتی چیز بھی۔ لہذا اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔

☆ بعض کاغذات، کیلنڈر، دعوت نامے، بل، خطوط ایک طرف سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ بھی سنبھال لیں۔ ان پر رف کام کیا جاسکتا ہے۔ بچوں کو رف کام کروایا جاسکتا ہے۔ لیکن دین کا حساب کرنے یا چیزوں کی فہرست بنانے اور روزمرہ کے معمولی معمولی پیغامات بھیجتے کے لیے رقعہ کی صورت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

☆ بعض کاغذوں کے پرزے یا حصے دیکھنے میں چھوٹے ہوتے ہیں لیکن خالی ہوتے ہیں۔ انہیں علیحدہ کر لیں۔ ان پر فون نمبر، کسی کا پتا، یا چیزوں کی مختصر فہرست، یا مختصر پیغام وغیرہ لکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح چھوٹے سے کام کے لیے بڑا کاغذ بچ جائے گا۔ ایک مولانا کے بارے میں سنا ہے کہ وہ کاغذات کا قابل استعمال حصہ الگ کر کے اس کو اس کی جسامت کے لحاظ سے الگ الگ تھیلیوں میں ڈال لیتے اور جتنا لکھنے کی ضرورت ہوتی اس جسامت کا ٹکڑا اس میں سے لے لیتے۔ وہ مولانا رسائل کو بند کرنے کے لیے جو

ہوتا ہے۔ نیز یہ آلات زیادہ استعمال کی وجہ سے جلد خراب ہو کر بے کار ہو جاتے ہیں یا مرمت کے لیے خرچ کا تقاضا کرتے ہیں۔ یوں یہ خرچ ہمارے اپنے بجٹ یا ہمارے کفیل مرد کے بجٹ کو متاثر کرتا ہے۔

کاغذ:

دور جدید کاغذ کا دور ہے۔ آج کون سا گھر ہے جہاں کاغذ کا عمل دخل نہیں۔ کتابیں، اخبارات، رسائل، تھیلے، رسیدیں، پینڈ بل، دستاویزات، اشتہارات سب کاغذ کے مرہون ہیں۔

کاغذ کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ گو اس دور میں آج کا مروجہ کاغذ نہیں تھا بلکہ درختوں کے پتے، کپڑے، جانوروں کی بڑی بڑی ہڈیاں، لکڑی اور لوہے کی تختیاں، چمڑا وغیرہ لکھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

کاغذ ایک ایسی نعمت ہے، جس کے بل پر قرآن حکیم..... تفاسیر اور احادیث نیز دیگر اسلامی علوم ہر فرد تک براہ راست پہنچ رہے ہیں۔ جو کام دور قدیم میں علماء اور مبلغین شہر شہر اور گھر گھر پھر کر کرتے تھے اسے کاغذ نے سنبھال لیا ہے۔ اس لحاظ سے کاغذ ایک انتہائی قابل قدر نعمت ہے۔ گو اس نعمت سے خراب ذہنیت کے لوگ اخلاق باختہ تحریریں بھی عوام تک پہنچا رہے ہیں لیکن یہ قصور تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے غلط تحریریں عوام میں پھیلائیں۔ کاغذ کا تو کوئی قصور نہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ جس کاغذ کی ضرورت نہ رہے، وہ بے دھڑک کوڑے کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ کوڑا جس میں ہر طرح کی گندگی ہوتی ہے اور اس کا نام ہی کوڑا ہے۔ اس میں کاغذ کا یوں پھینک دینا اچھا طرز عمل نہیں، چاہے وہ روٹی کاغذ ہی کیوں نہ ہو۔ ہو سکتا ہے اس میں کہیں کسی آیت کا ترجمہ ہو..... کسی حدیث کا کوئی حصہ لکھا گیا ہو، یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو۔ خاتون خانہ کی حیثیت سے ہمیں اس معاملے میں احتیاط کرنا چاہیے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل باتوں کی طرف توجہ دینا چاہیے۔

☆ قرآن حکیم، احادیث اور دینی کتب کی تعظیم و تکریم بہت ضروری ہے۔ اگر ان کے اوراق پھٹ جائیں تو ان کو جلد کرا لیں یا سوئی سے خود سی لیں، پن یا ٹیپ سے اوراق کو جوڑ لیں۔

کاغذ کا ٹکڑا نام و پتہ لکھنے کے لیے ہوتا اسے بھی اتار کر فینچی سے سیدھا کاٹ کر رکھ دیتے اور کام میں لے آتے۔

یاد رہے کہ اللہ کی نعمتوں کو ضائع ہونے سے بچانا ہمارا فرض ہے۔ چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی..... قیمتی ہو یا بظاہر کم قیمت۔ مشکل سے دستیاب ہوتی ہو یا آسانی سے.....

اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ کاغذات کے استعمال کا کافی حد تک خرچ بچ جائے گا۔ ہم وہی رقم کسی دوسرے اہم کام پر خرچ کر سکیں گے یا اسے صدقہ کر کے آخرت کے کھاتے میں جمع کرا سکیں گے۔

☆ بعض گھروں میں بچے کا پیوں سے نئے کاغذ بھاڑ کر جہاز، کشتیاں، پھول، ٹوکریاں، پھرکیاں وغیرہ بنا کر کھیلتے ہیں یا کوئی دیگر کھیل کاغذوں پر بنا کر کھیلتے ہیں۔ انہیں سمجھانا چاہیے کہ وہ شوق ضرور پورا کریں کہ کھیلنا ان کا حق ہے لیکن صاف کاغذ مت ضائع کریں۔ بلکہ روٹی کاغذات سے یہ کام لیں۔ ورنہ آخرت میں اللہ بھی ہم سے اس کا حساب لیں گے۔

پانی:

پانی اللہ تعالیٰ کی اہم تخلیق ہے۔ رب کریم نے اس کے بارے فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الانبیاء: ۳۱]

”اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کر دیا۔“

انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوا، پانی، خوراک اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کے مدنظر پانی زمین پر تین فی صد رکھا ہے۔ جب کہ خشکی صرف ایک فی صد ہے۔ زمین پر گو تین فی صد پانی ہے لیکن پینے کے پانی کی فراہمی اپنی جگہ ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ ہر قسم کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا۔

پانی کی فراہمی کے لیے دریا، نہریں، کنویں، ٹیوب ویل اور ہینڈ پمپ استعمال ہوتے ہیں۔ شہری علاقوں میں ٹینکوں اور پائپوں کے ذریعے پانی صاف کر کے فراہم کیا جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں ایسے بھی ہیں کہ پانی کم ہوتا ہے۔ پھر لیے ہونے کی وجہ سے وہاں ٹیوب

ویل یا ہینڈ پمپ لگائے ہی نہیں جاسکتے جب کہ کنویں کی کھدائی بھی بہت مہنگا اور مشکل کام ہے۔ بعض علاقوں میں پانی توافر ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ لہذا پینے کے کام نہیں آسکتا۔ بعض علاقوں کا پانی گندہ ہوتا ہے۔ جس کے پینے سے انسانی صحت کو خطرہ ہوتا ہے۔ انہی مشکلات کی وجہ سے دنیا میں بہت سے ایسے خطے پانی جیسی نعمت بڑی مشکل سے حاصل کر پاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بقدر ضرورت ہی پانی استعمال کیا جائے۔

خاتون خانہ کی حیثیت سے ہمیں یہ جائزہ لینا چاہیے کہ آیا واقعی ہم پانی بقدر ضرورت استعمال کرتی ہیں یا بغیر ضرورت بھی پانی بہاتی ہیں۔ ☆ فرش صاف کرتے ہوئے ایک بالٹی پانی سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے تو پھر نل کھول کر گھڑوں پانی بہانے کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔

☆ برتن اور کپڑے دھوتے وقت اکثر خواتین نل کھلا چھوڑ دیتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ پانی مسلسل بہتا چلا جاتا ہے۔ جب کہ خاتون برتن مانجھ رہی ہیں یا کپڑے مل رہی ہے۔ لہذا جب ضرورت نہ ہو تو فوراً نل بند کر دیا جائے۔ پانی تیز دھار کے ساتھ نہ کھولا جائے۔ خصوصاً کپڑے اور برتن دھوتے ہوئے، وضو کرتے یا ہاتھ وغیرہ دھوتے وقت بھی پانی کی پتلی سی دھار ہی کافی ہوتی ہے۔

☆ بعض اوقات برتن میں پانی رکھا ہوتا ہے۔ اسے ناکارہ سمجھ کر گر کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہ پانی اگر پینے کی قابل نہیں تو اس سے ہاتھ کپڑے یا فرش تو دھویا جاسکتا ہے۔

☆ نہاتے وقت بھی پانی کی کم مقدار خرچ کریں۔ رسول ﷺ ایک صاع پانی سے غسل کر لیتے تھے۔ (دیکھیے کتاب الطہارۃ، صحیح مسلم)

☆ اکثر گھروں میں بچے پانی سے کھیلتے اور اسے ضائع کر کے خوش ہوتے ہیں۔ انہیں بھی سمجھایا جائے کہ پانی کا اللہ کو حساب دینا ہے۔

☆ اگر پانی سرکاری ہے تو اس پر بل بھی آتا ہے۔ زیادہ پانی خرچ کرنے سے بل بھی زیادہ آئے گا۔ گویا دہرا نقصان ایک پانی، کا

جوتے یا سواری کو صاف کرنے کے لیے انھیں بھی گھروں میں جا کر پانی ہی سے ان کی صفائی کرنا پڑتی ہے گویا پانی کا خرچ در خرچ کا سلسلہ بن جاتا ہے۔

☆ بعض لوگ سردی ہو یا گرمی گھروں یا دکانوں کے سامنے چھڑکاؤ ضرور کرتے ہیں۔ گرمی میں تو خیر گرمی دور کرنے کے لیے لیکن سردی میں اس کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ ہندو لوگ پانی کو متبرک سمجھ کر دکانوں کے سامنے چڑھکاؤ کیا کرتے تھے تاکہ آمدنی میں برکت ہو۔ غالباً مسلمانوں نے بھی یہ عادت..... یا یہ تصور ہندوؤں سے لیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بغیر ضرورت دکانوں اور مکانوں کے سامنے پانی چھڑکنا ہندوؤں کی مشابہت بھی ہے جب کہ ہمیں غیر مسلموں کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ ☆ جب پانی کی فراہمی رک جائے تو اس وقت ہم بوند بوند پانی بچاتے ہیں اور تھوڑے سے پانی سے کام کر لیتے ہیں۔ اس وقت کے طریق کار کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم یہ سوچیں کہ اب پانی تو ہے لیکن فراہم کرنے والے نے ایک حد قائم کر دی ہے اور ہم نے اس حد کے اندر رہ کر ہی پانی خرچ کرنا ہے تو ہم پانی میں کفایت کرنا سیکھ جائیں گے اور ان شاء اللہ ہماری یہ کفایت ہمارے دیگر بہن بھائیوں کے کام آئے گی۔

دوسرا پیسے کا..... جن علاقوں میں پانی عام ہے وہاں تو یہ عالم ہے..... اور جہاں پانی عام نہیں وہاں کا منظر ہی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ غسل خانے یا بیت الخلاء میں بیٹھے ہیں لیکن نل ہو ا دے کر موسیقی سناتا جا رہا ہے۔ پانی کی بوند تک نہیں۔ دفتر یا سکول سے دیر ہو رہی ہے۔ بچے تنگ کر رہے ہیں پانی آئے تو بات بنے۔ بعض علاقوں میں نچلے مکانوں میں تو پانی آتا ہے لیکن اوپر کی منزلوں پر پانی نہیں چڑھتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ نچلے مکانوں والے لوگ پانی وافر استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اوپر کی منزل والے محروم رہ جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں یہ طریقہ بھی عام ہے کہ جب پانی رک جاتا ہے اور کچھ گھنٹوں بعد آتا ہے تو ہم دھڑا دھڑا پانی استعمال کرتے ہیں۔ گھر کے کونے کھدرے تک پانی بہا بہا کر صاف کیے جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ بقدر ضرورت پانی استعمال کریں تاکہ دوسروں کے لیے بھی بچ رہے۔

☆ پانی سے فرش دھوئے جاتے ہیں اور بیرونی دروازے کے سامنے کا حصہ بھی۔ نتیجہ یہ کہ پانی بہہ بہہ کر گلی یا سڑک کو بھی گیلیا کر دیتا ہے۔ جس سے آنے جانے والوں کے کپڑے، سائیکل، موٹر سائیکل، کاریں، رکشے وغیرہ گندے ہو جاتے ہیں۔ گزرنے والے ان گھر والوں کو کوسے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ کپڑے،

مدیر مسئول ”صحیفہ اہل حدیث“ کراچی مولانا حافظ عبدالجبار سلفی کی وفات

پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی کے مدیر مسئول مولانا حافظ عبدالجبار سلفی ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء بروز جمعۃ المبارک طویل علالت کے بعد وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، مؤدب و مونس، صالح خاندان کے صالح فرد اور عالم باعمل بھی تھے۔ ”صحیفہ اہل حدیث“ نے ان کی مسئولیت میں بہت سے دینی کام کیے۔ موصوف جماعت غرباء اہل حدیث کے امیر جناب مولانا حافظ عبدالرحمن سلفی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ موصوف کی عمر ۷۷ برس تھی۔ ان کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بڑے بھائی امیر جماعت غرباء اہل حدیث مولانا عبدالرحمن سلفی نے پڑھائی۔ جنازے میں ہر مکتبہ فکر اور دینی، سماجی، کاروباری شخصیات کے علاوہ دینی مدارس کے طلباء و عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اراکین الاعتصام مرحوم کی وفات پر ان کے برادر بزرگ حضرت حافظ عبدالرحمن سلفی اور مرحوم کے تین بیٹوں سے ہمدردی و تعزیت کا اظہار اور ان کے تمام لواحقین کے لیے صبر جمیل کی بھی دعا کرتے ہیں۔ اللہ کریم مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے، آمین یا رب العالمین۔

(ادارہ الاعتصام)

ایک فلاحی مملکت کا خواب

محمد سلیم چنیوٹی

سینس تو سلائی کرنے والے کے بھی پیسے ڈال کر ایک ہزار روپے تک ایک سوٹ پہنچ رہا ہوگا۔ یہ عام ریٹ ہے، اس سے آگے جتنا مرضی بڑھالیں یہ جتنی اونچی دکان اتنا اونچا پکوان والا معاملہ بنتا چلا جائے گا۔ اسی طرح بچوں والے گھروں میں دودھ، چینی وغیرہ روزانہ کے اخراجات ہیں۔ ماہانہ اخراجات میں گیس، پانی، بجلی، کریانے والے، سبزی والے دکانداروں کے پیسے الگ۔

ہم نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کی ہوائیں سونگھی ہوئی ہیں۔ ایک طرف پاکستان پیپلز پارٹی تھی۔ اس کے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ دوسری طرف نو جماعتوں پر مشتمل پاکستان قومی اتحاد کے نو ستارے تھے۔ اس وقت بڑے بڑے جلسے اور جلوس نکلا کرتے تھے۔ قومی اتحاد کو ایک مذہبی و دینی نمائندہ اتحاد سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف پاکستان پیپلز پارٹی تھی جو دینی و مذہبی لوگوں کے ذہنوں کے تقریباً برعکس مشہور تھی۔ روٹی، کپڑا، مکان دینے کا اور غریب عوام ہماری طاقت کا سرچشمہ جیسے دلفریب نعرے اس دور کی پیداوار ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد والے پاکستان میں اسلام نافذ کرنے کا وعدہ کرتے تھے۔ معیشت کی بحالی، سستے انصاف اور مہنگائی ختم کرنے کے نعرے لگاتے تھے۔ لیکن جب انتخابات ہو چکے تو بھٹو حکومت پر دھاندلی سے الیکشن جیتنے کے الزامات پر فوج کو آنے کا موقع مل گیا۔ بھٹو پر نواب محمد احمد خان قتل کیس کھل چکا تھا۔ اس میں بھٹو کو قید ہوئی اور بعد ازاں ۱۹۷۹ء کے اپریل میں انھیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق کی گیارہ سال حکومت رہی اس دور میں عوام کو مہنگائی سے چھوٹ ملی رہی، بھٹو دور میں آٹا، گھی، چینی ڈپوؤں پر سارا سارا دن دھکے کھانے کے بعد بھی نہ ملتی تھی۔ ڈپوؤں پر کارڈ بنائے جاتے تھے اور اس پر

اسلامی فلاحی مملکت تو وہی کہلائی جاسکتی ہے، جس میں فلاح انسانیت کے کام ہوں۔ اس دنیا میں بسنے والے لوگ اپنے امور کو اگر آسانی سے انجام نہ دے سکیں، بھوک و افلاس کو دور نہ کر سکیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم، صحت، مناسب کاروبار کے لیے تگ و دو نہ کر سکیں بلکہ دو وقت کی روٹی کو بھی صحیح طور نہ کما سکیں تو ایسی حکومت اور ایسے حکمرانوں کو عوام بے چارے کیا کریں گے۔

الیکشن پر کھڑا ہونے والا ہر امیدوار یہی چاہتا ہے کہ اقتدار کی کرسی پر میں براجمان ہوں۔ میں عوام کی بہتر سے بہتر خدمت کر کے لوگوں کو خوش کر سکتا ہوں، ہر امیدوار اصل میں کرسی اقتدار کا طالب ہوتا ہے۔ الیکشن سے قبل اس کے نعرے اور ارادے عوام کو اور قسم کے سنائی دیتے ہیں لیکن جب یہ امیدوار منتخب ہو جاتے ہیں تو ان کی آنکھیں پھرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اقتدار حاصل ہونے کے بعد یہ عوام سے کیے گئے وعدوں کو اس طرح بھولنا شروع ہو جاتے ہیں کہ گویا یہ عوام کے نمائندے کم اور اپنی ذات کو بلند و بالا بنانے کے چکروں میں زیادہ مگن نظر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ

روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ کب کا لگ چکا، روشن پاکستان اور سب سے پہلے پاکستان کے خوش نمائندے عوام نے کبھی کے سن لیے مگر نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

بجلی کے بحران کو پیدا ہوئے کئی سال بیت چلے ہیں۔ گندم اور آٹے کی قیمتیں انسان کے خون پسینے کی کمائی سے روزانہ ہاتھ دھو رہی ہیں۔ پانی کو لوگ ترس رہے ہیں۔ کھیت کھلیان، بنجر، سبزیاں، دالیں گوشت کی قیمتوں کے برابر ہو رہی ہیں۔

زنانہ و مردانہ کپڑے غریب کی پہنچ سے دور ہو گئے۔ ان کے نرخ

انصاف سے آراستہ ہو، قتل و غارت گری، لوٹ مار، ڈاکے ڈکیتوں سے محفوظ رہے۔ قوم کے خادموں کی الاماء اللہ پاکستان میں کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خادموں کو صراطِ مستقیم پر رکھے جو رب کی دھرتی پر رب کے بندوں کے فلاح و بہبود کے کام کرنے والے ہوں، نہ کہ ان پر مہنگائی، دہشت گردی، قسم ہائے قسم کے مجراؤں کے پیدا کرنے والے ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ہمارے حالوں کو بہتر سے بہتر فرمائے۔ پاکستان امن و آشتی کا گہوارہ بنے، محبت و اخوت، اس کے بندوں میں پیدا ہوتی رہے۔ اللہ و رسول ﷺ کے احکامات ہی اس ملک کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ خدا کرے نیک بخت حکمران ہماری دھرتی پر آجائیں، آمین یا رب العالمین۔



انتقال پر ملال

میری چھوٹی بہن کا بیٹا حافظ شوکت وحید (ایم اے ایل ایل بی) عمر ۳۸ سال، ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء بروز جمعہ شیخوپورہ میں وفات پا گیا، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم محمد نالاکل شیخوپورہ کا پرنسپل تھا۔ نیا گروہ ڈالاکھا چوندہ دن ہی میں نا کام ہو گیا۔ مرحوم نمازی، پرہیزگار اور بارش تھا۔ حافظ قرآن تھا۔ چار چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوہ کے علاوہ بے شمار سگوار چھوڑ گیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری کوتاہیوں کو معاف کر کے جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ (سگوار: فیاض محمد فضا)

ضرورتِ رشتہ

اہل حدیث، انصاری خاندان سے دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ دو شیخگان (۲۲، ۲۳، ۲۶، ۳۰) سال عمر، باپردہ کے لیے ہم پلہ، تعلیم یافتہ، برسرِ روزگار لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔ لاہور و نزدیکی سے والدین رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر: 0333-4040838

خطبہ جمعۃ المبارک

جامع مسجد دارالحدیث اوکاڑا میں ۲۶ اپریل کا خطبہ جمعۃ المبارک رانا محمد خلیق خاں پسروی (ناظم تنظیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان) ارشاد فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔ احباب وقت پر تشریف لا کر مستفید ہوں۔

(عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ، اوکاڑا)

فون نمبر: 0312-4403173

بندہ سیر اور آدھ سیر کے حساب سے آٹا، چینی وغیرہ دیے جاتے تھے۔ ضیاء دور میں یہ کارڈ اور ڈپوؤں کا سلسلہ ختم کر کے دکانوں پر لگھی، چینی، آٹا دستیاب ہونے لگے۔ ڈپوؤں کے دھکے ختم ہو گئے۔

جنرل محمد ضیاء الحق کے دور پر بعض لوگ کئی طرح کی تنقید کرتے ہیں مگر اس دور میں کسی چیز کی قلت نہ تھی۔ قیمتیں بھی کنٹرول میں تھیں۔ منتخب حکومتیں آتی تو عوام کے ووٹوں سے ہیں مگر یہ تنگ بھی عوام ہی کو کرتی رہی ہیں۔ جنرل محمد ایوب خان کی حکومت کو ہمارے بڑے بزرگ آج تک یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کو بھی یاد کرتے ہیں۔ تنقید کا سلسلہ بھی لوگ جاری رکھتے ہیں۔ بعض جرنیلوں کی حکومتیں عوامی حمایت سے محروم بھی رہیں۔ اس میں جنرل یحییٰ اور پرویز مشرف بالکل بھی عزت دار لوگ نہ پائے گئے۔ ان کے کارنامے بھی سب کے سامنے ہیں۔

بے شک اقتدار اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عزت و اقتدار سے نوازتا ہے۔ باقی جیسے عوام ویسے حکمران والی بات زیادہ مضبوط و پائیدار ہے کہ لوگوں کے اعمال جیسے ہوں گے، اللہ کریم ویسے ہی حکمران ان پر مسلط کر دے گا۔

آج کے سیاسی میدان کی رونقیں گزشتہ انتخابات کی طرح تو نہیں ہیں۔ اب قانون اور اس کے مطابق شفاف لوگ ہی سامنے آ رہے ہیں جو اُمّی ۲۰۱۳ء کے بعد جیت کر ہمارے حکمران بنیں گے۔ سوچ سمجھ کر حق رائے دہی استعمال کرنے کا حق عوام کو حاصل ہے۔ موجودہ اور گزشتہ مجراؤں پر بھی عوام کی نظریں ہیں۔ اسے مد نظر رکھ کر ہی ووٹ ڈالنا چاہیے۔ باقی دلفریب نعرے، وعدے اور لارے لیے ”چیزے دیگر است“ والی بات ہے۔

ووٹ والی صندوقچیاں تو الیکشن کمیشن صاف کر چکا ہے۔ اب دیکھو ہمارے وہ کس کے سر بیٹھے گا۔ صاف شفاف انتخابات کا رزلٹ ہی بتائے گا کہ ”صاف شفاف“ کس چیز کا نام ہے۔ اس کے لیے چند دن مزید انتظار کے ہیں۔

اللہ کرے پاکستان بجلی جیسے بدترین بحران سے نکلے، سستے

اک تاریخ ساز شخصیت بابا جی عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ

سہیل احمد چوہدری، پورے والا

بابا جی رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں بور یوالا ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں اور میری خواہش بھی یہی ہے کہ اب بور یوالا کی اسی مرکزی جامع مسجد کے اندر سے میرا جنازہ نکلے۔ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ زندگی کے سفر میں دو تین بار بیرون ملک بھی جانا ہوا تو ہمیشہ یہی دعا کر کے جایا کرتے تھے: ”یا اللہ واپسی خیر و عافیت سے کرنا اور میرا جنازہ اسی مسجد سے اٹھانا۔“

اپنی اہلیہ (یعنی ہماری دادی اماں) کی وفات کے بعد ایک بار جب برطانیہ کے دورے پر تشریف لے گئے تو مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ فرمانے لگے بابا جی رحمہ اللہ آپ اپنی بقیہ زندگی ہم کو دے دیں اور یہاں برطانیہ میں ہی رہ کر دین اسلام کی اشاعت کریں۔ فرمانے لگے میر پوری صاحب میرے لئے پورے والا کی مسجد ہی سب کچھ ہے۔ پھر میر پوری صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے بابا جی رحمہ اللہ پاکستان میں بس کے حادثات بہت ہوتے ہیں اس لئے آپ اب بس میں سفر نہ کیا کریں، بابا جی رحمہ اللہ نے فرمایا، میر پوری صاحب رحمہ اللہ یہ جماعت اہل حدیث میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے اور میرے پاؤں میں آج بھی اُن کانٹوں کی شدت موجود ہے جو جماعت کی تنظیم نو کی خاطر ریگستانوں میں جا کر موسموں کی شدتوں کو اپنے اندر برداشت کر کے، ایک نظم کو قائم کیا تھا اور مجھے معلوم ہے کہ میری جماعت میرے لئے گاڑی کا خرچہ برداشت کر سکتی ہے لیکن میں اُن پر اپنی گاڑی کا خرچہ نہیں ڈال سکتا، اس لئے بس سے سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ بابا جی رحمہ اللہ کی پاکستان واپسی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ کا برطانیہ میں ہی روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تو بابا جی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ سنایا

یوں تو جماعت اہل حدیث کے نظم میں بہت سے نشیب و فراز آئے لیکن بابا جی رحمہ اللہ ابتدا سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک مرکزی جمعیت اہل حدیث کے خادم رہے، جماعت کے جتنے بھی افراد تھے جتنے بھی نظم تھے وہ سب کے سب بابا جی رحمہ اللہ کا احترام کیا کرتے تھے (الحمد للہ) وہ ایسا کیوں نہ کرتے بابا جی رحمہ اللہ، بابائے جماعت جو تھے۔ میرا خیال ہے کہ بابا جی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کی سب سے غیر متنازعہ شخصیات میں سے ایک تھے۔ (الحمد للہ)

مقررہ کام کی اے اک تھاں تے رہناں
مقرر تے ہندا اے تھاں تھاں دا گہناں
پر اے بابا تھاں تھاں نہیں وکیا ہویا اے
بس اکو جگہ تے ای ٹکیا ہویا اے

دوست احباب جانتے ہیں پاکستان ہجرت کے بعد ہمارے خاندان کے کچھ افراد گوجرانوالا اور کچھ فیصل آباد میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور پھر آپ جیسے کچھ خوبصورت لوگوں کا ساتھ ہی تھا کہ جس کی وجہ سے بابا جی رحمہ اللہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر بور یوالا کی سرزمین پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھے گئے تھے۔ اسی لیے آج سے کئی سال پیشتر حضرت مولانا علیم ناصری رحمہ اللہ نے بابا جی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا تھا کہ ع

چھوٹی ہے پورے والا سے جو اس کی پھل جھڑی
بنتی ہے لاہور کے وہ گل کدوں کی پٹھڑی

ایک عالم دین کی شان اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ جس کی ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ میں ہی بسر ہو جائے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بابا جی نے پورے والا میں رہ کر نہ صرف پورے پاکستان بلکہ بیرون ملک بھی اللہ کے دین کی تبلیغ کی..... یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

آسمانوں سے آوازیں آرہی ہوتی ہیں کہ مانگو جو مانگنا ہے اکثر واپسی کے سفر میں ذکر اذکار کرتے یا پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے ہوتے اکثر فجر کی نماز کے وقت واپسی ہوتی تھی اور فجر کی نماز کے بعد کبھی درس قرآن کو قضا نہیں کیا تھا۔ بقول شاعر:

جدوں دا اے گورداسپور توں ہے آیا
بورے والا ای اپنا مسکن بنایا
ایناں عرصہ اک جاء تے کرنی خطابت
کسے نوں ای ہندی اے حاصل سعادت
مقرر دا کم کی اے اک تھاں تے رہناں
مقرر تے ہندا اے تھاں تھاں دا گہناں
پر اے بابا تھاں تھاں نہیں وکیا ہو یا اے
بس اکو جگہ تے ای ٹکیا ہو یا اے

اُن کے بڑے بیٹے مورخ جماعت اہل حدیث ڈاکٹر بہاء الدین نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت کی جلد ۱۶ میں لکھا ہے:

”والد گرامی قدر حضرت مولانا محمد عبد اللہ گورداسپوری جو حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کے واسطے سے (حضرت میاں صاحب کے پوتے شاگرد ہیں) نے بوریاوا لہ ضلع و ہاڑی، پاکستان میں ۱۹۴۹ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک یعنی ۶۳ سال تک درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور چار دفعہ قرآن کریم کا درس مکمل کیا، اور پانچویں دفعہ تکمیل کی مہلت نہ ملی کہ ۲۰۱۲ء کو انتقال فرما گئے۔ کسی ایک مسجد میں اتنے طویل عرصے تک باقاعدہ درس قرآن دینے کی سعادت شاید برصغیر میں کسی اور اہل علم کو تا حال حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ (بہاء الدین)

آپ نے اپنی پوری زندگی دین حق کی خدمت کیلئے وقف کیے رکھی اور اپنی گزر اوقات کے لئے تا دم واپس امامت و خطابت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ نہ صرف علمائے اہل حدیث بلکہ ہر مسلک کے علماء کرام کا بڑا احترام کرتے تھے، کئی مثالیں میرے

اور فرمایا مجھے کہا کرتے تھے کہ بس پر سفر نہیں کرنا اور اللہ کی شان دیکھو خود روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے اور مولانا میر پوری رحمہ اللہ کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔

بابا جی رحمہ اللہ ساری زندگی عقیدہ توحید و سنت پر کار بند رہے اور ہمیشہ اسی عقیدے کا دفاع کیا۔ آپ کی طرز خطابت نرالی تھی۔ کیونکہ آپ کسی کی نقل نہیں کرتے تھے۔ بابا جی رحمہ اللہ ایک لمحے میں ہنسا بھی دیا کرتے تھے اور اگلے ہی لمحے میں رولا بھی دیا کرتے تھے یہ اک خاص وصف ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اپنے خاص بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ ویسے بھی بقول سعید الفت رحمہ اللہ

رو جاندا اے ہسا جاندا اے
مجمع تے قابو پا جاندا اے

بابا جی رحمہ اللہ جب نومبر ۱۹۴۹ء میں بوریاوا تشریف لائے تب ایک چوترا نما ایک چھوٹی سی جگہ نماز کے لئے موجود تھی، لیکن وہ لوگ جو اُن کے ساتھ چلے یا جن لوگوں کا ساتھ بابا جان کو ملا وہ بہت ہی نیک اور مخلص لوگ تھے، اگر وہ نیک اور مخلص نہ ہوتے تو اہل حدیث کی کسی مسجد کے اندر ایک امام و خطیب ۶۳ برس گزار ہی نہیں سکتا تھا۔ آج الحمد للہ بوریاوا شہر کے اندر ارد گرد میں چالیس سے زیادہ اہل حدیث کی مساجد نا صرف قائم ہیں بلکہ آباد بھی ہیں شہر کے ارد گرد دیہات میں قائم ہونے والی مساجد کی تعداد اس کے علاوہ ہے ان مساجد میں سے اکثر کاسنگ بنیاد بابا جی رحمہ اللہ نے ہی رکھا تھا۔ بابا جان رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے صرف ۶ ماہ پیشتر ایک مسجد کاسنگ بنیاد رکھا تھا اور الحمد للہ وہ بھی اب ایک خوبصورت عمارت کی شکل میں مکمل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مساجد کو قیامت تک آباد رکھے، آمین۔

بابا جی رحمہ اللہ بڑے صالح، فقیر منش، رحم دل، ولی اللہ اور درویش صفت انسان تھے وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں کوئی زیادہ تہجد گزار تو نہیں ہوں لیکن رات کو سونے سے پہلے کسی نہ کسی کتاب کو ضرور پڑھتا ہوں اور تہجد گزار شاید اس لیے نہیں ہوں کہ میں نے ساری زندگی سفر کیا ہے اور سفر بھی دین کی تبلیغ کے لیے اور واپسی اُس وقت ہوتی جب

سامنے موجود ہیں ان میں سے ایک دو آپ کے سامنے رکھتا ہوں، جب مولانا سردار محمد صاحب آف فیصل آباد حیات تھے تو جب کبھی بھی فیصل آباد جانا ہوتا تو جماعت کی قابل احترام شخصیت (جن سے میری مراد جناب مولانا یوسف انور صاحب) کے ہمراہ مولانا سردار محمد صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اور مولوی سردار محمد مرحوم قادیانیت کے خلاف تقاریر کرنے کے جرم میں ہم اکٹھے بٹالہ کے حوالات میں بند ہوا کرتے تھے۔ اور پھر جب مولانا سردار محمد صاحب آف فیصل آباد کا انتقال ہوا تو تب بھی ہم لوگ تعزیت کے لئے صاحبزادہ فضل کریم کے پاس اُن کے مرکز میں گئے تھے لیکن افسوس در افسوس کہ آج کچھ لوگ اپنے اکابر کو اُن کی زندگی میں ہی بھول جاتے ہیں اُن کی وفات کے بعد اُن کے بچوں سے تعزیت کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اور اسی طرح جب مجاہد ختم نبوت، حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ فیصل آباد میں انتقال فرما گئے تو بور یوالا سے صرف تعزیت کے لیے جناب مولانا یوسف انور صاحب کے ہمراہ مولانا قاسمی کے بچوں کے پاس گئے اور مولانا قاسمی مرحوم کے درجات کی بلندی کی دعا کی۔ بابا جی رحمہ اللہ جب انگلینڈ کے تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے تو مولانا ضیاء القاسمی رحمہ اللہ مرحوم بھی ساتھ تھے اور اُس دورے کی بہت سی خوشگوار یادیں مولانا یوسف انور صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

میرے بڑے تایا جان جن سے میری مراد چوہدری عبدالرحمان سندھو جو کہ فیصل آباد جامعہ سلفیہ کے قریب میں قیام پذیر ہیں بابا جی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی ہیں (یہ باتیں انہوں نے مجھے بتائی ہیں) بابا جی رحمہ اللہ ۵ نومبر ۱۹۴۹ء کو بورے والا شہر میں تشریف لائے تو پہلے جمعۃ المبارک کا خطبہ موجودہ ٹاؤن ہال (بلدیہ گراؤنڈ، کمیٹی گھر) میں ارشاد فرمایا۔ شاید احباب کے علم میں ہو کہ جب پاکستان بنا تب بور یوالا شہر کو منڈی بور یوالا کہا جاتا تھا۔ بورے والا کی غلہ منڈی کے اندر ایک اوقاف کی مسجد تھی اور ایک جامع مسجد ڈی بلاک میں واقع تھی اور اہل حدیث افراد کے لئے کوئی باقاعدہ مسجد نہیں تھی اہل حدیث افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اور ایک الگ ہی جگہ پر اپنی نماز

وغیرہ ادا کیا کرتے تھے۔ بابا جی رحمہ اللہ نے جب اس جگہ اپنا خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا اور سورہ العصر کی تفسیر بیان کی۔ نو جوانی کا دور تھا لوگوں نے بہت پسند کیا، اگلا جمعہ جب آیا تو اُس دور میں جمعے کی سرکاری چھٹی ہوتی تھی اور گراؤنڈ کو پانی لگانے کی باری تھی، کمیٹی گھر کے مالی نے گراؤنڈ کو پانی لگا دیا، مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ (سابق چیف جسٹس ریاست فرید کوٹ) کو پتا چلا انھوں نے جلدی سے جا کر پانی لگانے والے کو کہا اور پانی بند کروایا کیونکہ جمعہ پھر وہیں کمیٹی گھر والی جگہ پر ہی پڑھنا تھا گراؤنڈ میں کچھ جگہ پر پانی لگ چکا تھا اور جب خطبہ جمعہ شروع کیا تو اندروالی جگہ تو حید کے پروانوں سے بھر چکی تھی اور پھر لوگوں نے باہر سڑک پر اپنی چادریں بچھا کر خطبہ سنا اور نماز جمعہ ادا کی۔ تایا جی فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ صاحب کی کوٹھی پر کھانا کھانے کے لئے گئے تو مولانا فرمانے لگے مولوی عبداللہ صاحب اب آپ یہاں ہمارے پاس قیام پذیر ہو جائیں اور ساتھ ہی حاجی ابراہیم صاحب رحمہ اللہ جو کہ بابا جان رحمہ اللہ کے ہندوستان کے دوست تھے اُن سے کہا کہ ان کو جانے مت دینا۔۔۔ پھر میرے بابا جی رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی لاج رکھی کہ جب گئے ہیں تو اس جہان سے ہی چلے گئے۔ (اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ آمین)

جب بابا جی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولوی نور محمد رحمہ اللہ جو کہ رانیوٹ کی غلہ منڈی والی مسجد اہل حدیث میں خطیب تھے وہاں پر انتقال فرما گئے تو رانیوٹ سے احباب جماعت بورے والا آئے اور خاندان کے کچھ افراد بھی ساتھ تھے آپ کو بور یوالا سے رانیوٹ لے جانے کی باتیں ہونے لگی، اور بابا جی نے بھی رانیوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان حالات میں بور یوالا کے لوگوں کو پتا چلا تو سب لوگ مسجد میں اکٹھے ہو گئے اور بابا جی رحمہ اللہ کو روکنے کی کوششیں کی جانے لگی لیکن بابا جی رحمہ اللہ نے کسی کی بات نہ مانی۔ اپنا سامان باندھ لیا اور شام کو رانیوٹ جانے والی ٹرین پر سوار ہونا تھا اس لیے ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیے۔ تایا جی فرماتے ہیں لوگوں کی چیخیں نکل گئی مسجد میں لوگ رونے لگے۔ سامان

طویل فہرست ہے۔ میرے بابا جی رحمہ اللہ ان سب کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں اپنی حیثیت کے مطابق ہمسفر تھے، یہ سب بڑے لوگ تھے اور جو بھی ان کے ساتھ مل گیا وہ اک روشن چراغ بن گیا۔

وہ جب فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ خادم کی حیثیت سے تھے تو شیر پنجاب کے روحانی فرزند اور شاگرد خاص کا مقام حاصل کیا۔ ساری زندگی ختم نبوت کے تحفظ میں گزاری، وہ ایسا کیوں نہ کرتے وہ فاتح قادیان کے تربیت یافتہ جو تھے۔ بابا جی رحمہ اللہ اپنی تقریر و تحریر میں اکثر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا ابراہیم میرسیا لکوٹی رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی شیر دیکھا تھا (جن سے میری مراد مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی شخصیت ہے) کہ جب وہ پنڈال میں سے گزر کر سٹیج پر تشریف لاتے تھے تو کوئی اونچی سانس نہیں لیا کرتا تھا اور مجمع میں اک خاموشی چھا جاتی تھی۔ جب مولانا کا خطاب عام شروع ہوتا تو اکثر پنڈال کی قاتیں اُتار دی جاتی تھیں کیونکہ مولانا کے خطاب کو سننے کے لیے، سکھ، ہندو، رے، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی آیا کرتے تھے۔ بابا جی خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سکھ اور ہندو مولانا کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوتے تھے کیونکہ مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے اس لیے وہیں نماز میں کھڑے ہو جاتے اور دیکھتے رہتے کہ اب مسلمان نماز کیسے ادا کر رہے ہیں۔

بابا جی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا کتب خانہ اُس دور میں ایک نایاب کتب خانہ تھا جس میں مذاہب باطلہ کے بارے میں ہزاروں کی تعداد میں کتب موجود تھیں لیکن افسوس صد افسوس کے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا کتب خانہ قیام پاکستان کے وقت ہونے والے ہنگاموں میں جلادیا گیا تھا اُس دور میں اُس کتب خانے کی قیمت لاکھوں میں تھی مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو اپنے کتب خانے کے جل جانے کا بہت صدمہ تھا۔

بابا جی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیام پاکستان کے وقت ہونے والے ہنگاموں میں جب سکھوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے گھر پر

لے کر اسٹیشن کی طرف چلے تو سب لوگ ساتھ تھے اور پھر پورے والا کے لوگ جیت گئے اور اسٹیشن سے لوگ آپ کو واپس لے آئے۔ بابا جی رحمہ اللہ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا اور یہاں پر ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔ رانیوٹ کے لوگوں نے جب یہ حالات دیکھے تو واپس چل دیئے۔

جب جماعت اہل حدیث کے ایک نامور راہنما انتقال فرما گئے تو وہاں کی جماعت نے کوشش کی کہ کسی طرح بابا جی رحمہ اللہ کو وہاں لے جایا جائے اور اُن کی جگہ پر خطابت دی جائے۔ ان حالات میں جب پورے والا کے بہت ہی مخلص انسان سیٹھ سلیمان رحمہ اللہ صاحب جو کہ اُس وقت انجمن آڑھتیاں غلہ منڈی کے صدر تھے اُن کو ساری صورت حال کا پتا چلا تو انہوں نے اپنے عزیز محترم جناب شیخ عبدالستار رحمہ اللہ صاحب (جو کہ ہمارے موجودہ صدر انجمن اہل حدیث پورے والا جناب شیخ عبدالوحید اسلم صاحب کے والد محترم تھے) کو مسجد میں بھیجا اور کہا کہ جا کر وہاں موجود جماعتی احباب کو کہنا کہ مولوی عبداللہ رحمہ اللہ کا مول ڈال لیں (یعنی ان کو تازو میں تول لیں) اور اگر وہ پیسے میں جیت گئے تو وہ لے جائیں، نہیں تو مولوی صاحب رحمہ اللہ یہاں سے نہیں جائیں گے، ان شاء اللہ۔ پھر ایسا ہی ہوا جب شیخ صاحب مسجد میں تشریف لائے تو انہوں نے سب کی بات سنی اور سیٹھ سلیمان صاحب رحمہ اللہ والی بات اُن کو بتادی تو وہ لوگ واپس چلے گئے۔ (یہ بات بابا جی رحمہ اللہ نے مجھے خود بتائی تھی۔)

بابا جی رحمہ اللہ کو جن کا قرب نصیب ہوا وہ بھی باکمال لوگ تھے، جن سے میری مراد شیر پنجاب فاتح قادیان شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میرسیا لکوٹی، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا سید داود غزنوی، حضرت مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی، مولانا محمد اسماعیل روپڑی، حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، حضرت العلامة مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد اسماعیل سلفی آف گوجرانوالہ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا معین الدین لکھوی، حافظ یحییٰ عزیز میر محمدی، شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخ پوری رحمہ اللہ جیسے لوگ شامل تھے۔ ایک بہت

حملہ کیا اور گھر کو آگ لگا دی تھی تو اُن کا کتب خانہ بھی جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر گھر سے باہر آئے تو اس وقت ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی بڑی مدد کی تھی پھر ان حالات میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور پھر گوجرانولہ میں آکر مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی مسجد میں قیام کیا اور پھر وہاں سے سرگودھا چلے گئے اور وہیں پر ہی ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ (تفصیلی حالات مولانا امرتسری رحمہ اللہ پر لکھی گئی کتب میں دیکھ لیں) بابا جی نے مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے جنازہ میں بھی شرکت کی اور ایک ہفتہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔

وہ جب مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ساتھ رہے تو اُن سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی کیونکہ وہ ہر سال رمضان میں علماء کو قرآن پاک کی تفسیر پڑھایا کرتے تھے اور جتنے بھی علماء اُن کے پاس آتے اُن کی سحری و افطاری کا انتظام بھی ہمیشہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے گھر میں ہی ہوتا تھا۔ مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے صرف ایک ماہ میں قرآن پاک حفظ کیا۔ خود مولانا میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن پاک لے کر عید گاہ میں چلا جاتا تھا روزانہ شام تک ایک سپارہ یاد کر کے رات کو نماز تراویح میں سنا دیا کرتا تھا رمضان کے تیس روزے اور قرآن کے تیس پارے میں نے اسی طرح حفظ کر لیے۔ اور یہ مولانا میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کرامت ہے اور اُن کی والدہ کی دعا کا نتیجہ ہے۔ زندگی کے آخری ایام تک قرآن وحدیث کی سر بلندی کے لیے اپنا تن من دھن قربان کئے رکھا۔ بابا جی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں میر سیالکوٹی رحمہ اللہ صاحب کے پاس پڑھتا تھا تب ایک بار ہماری ملاقات ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ سے بھی ہوئی تھی۔ ملاقات کے دوران علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اپنا تازہ کلام نظم کی صورت میں ہمیں سنایا اور پھر اکٹھے مل کر چائے پی۔

میں نے اپنی زندگی میں یہ بھی دیکھا ہے کہ بابا جی رحمہ اللہ چائے میں زعفران ڈال کر پیا کرتے تھے میں نے ایک بار پوچھا تو فرمانے لگے چائے میں زعفران ڈال کر پینے سے دماغی قوت تیز ہوتی ہے، میں

نے پوچھا بابا جی رحمہ اللہ وہ کیسے اور آپ کو کس نے بتایا؟ فرمانے لگے ایک بار مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے ملنے گئے اور جاتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ مولانا آزاد رحمہ اللہ باہر لان میں بیٹھ کر چائے پی رہے تھے اور وہ چائے میں زعفران ڈال کر پیا کرتے تھے اور میں نے بھی اُن سے یہی بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ چائے میں زعفران ڈال کر پینے سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔ اس طرح بابا جی رحمہ اللہ کو مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کا عراز بھی حاصل تھا۔

بابا جی گورداسپوری، قاضی سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ کے بھی روحانی جانشین تھے کیونکہ وہ بٹالہ ضلع امرتسر میں جس مدرسہ سے وہ فارغ التحصیل تھے وہ قاضی سلیمان رحمہ اللہ کا ہی جاری کردہ مدرسہ تھا۔ جہاں اُن کے اُستاد مولانا عطاء اللہ شہید جیسی عظیم ہستی تھی۔ (تفصیلات کے لیے محمد اسحاق بھٹی، کاروان سلف، مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء، ص: ۷۱، ۷۲) بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ، مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے بھی روحانی جانشین تھے کیونکہ بور یوالا شہر کی جس مسجد میں آکر بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ نے اپنی عمر عزیز کے ۶۳ سال گزار دیے تھے اُس میں جو مدرسہ دینی تعلیم کے لیے ۱۹۵۶ء میں جاری کیا تھا اُس کا افتتاح مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ بحیثیت امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے ہی کیا تھا۔ اور تین روزہ سالانہ کانفرنس منعقدہ بور یوالا میں اکثر جمعۃ المبارک کا خطبہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ، روپڑی خاندان کے بھی قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ اور کبھی کبھی مجھے فرمایا کرتے تھے کہ میں اور حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ ایک بار جہلم کے قریب ایک جگہ تقریر کرنے کے لئے گئے میں وہاں پہلی بار گیا تھا اور حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ کا اس وقت جماعت میں ایک مقام تھا۔ میں نے تقریر شروع ہی کی تھی کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ تشریف لے آئے، لوگوں نے آوازیں دینا شروع کر دی کہ حافظ صاحب کو خطاب کرنے دیں، میں اپنی تقریر ختم کرنے لگا ہی تھا کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ جلدی سے مائیک پر آئے اور

کہا کہ جب تک مولانا عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ اپنی تقریر مکمل نہ کر لیں تب تک میں خطاب نہیں کروں گا۔ مجمع میں سناٹا چھا گیا پھر میں نے دو گھنٹے تقریر کی پنڈال نے ذوق و شوق سے میری تقریر کو سنا اور پسند بھی کیا اور پھر میں کئی سال تک وہاں سالانہ جلسے میں جاتا رہا۔

بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ کا بڑا پرن اور چھوٹوں پر ان کی شفقت تھی۔

بابا جی گورداسپوری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے بھی ساتھیوں میں سے تھے کیونکہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ جو مجلس احرار اسلام کے عظیم راہنما تھے جن کی ساری عمر قادیانیوں کا تعاقب کرتے گزر گئی۔ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جی رحمہ اللہ اور میں بٹالہ کی حوالات میں بھی بند ہوا کرتے تھے کیونکہ شاہ جی رحمہ اللہ کا موضوع بھی قادیانیت کی تردید ہوتا تھا اور میں بھی فاتح قادیان رحمہ اللہ کا شاگرد تھا اور مرزائیوں سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ، فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو ابا جان کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے کیونکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بیٹے کا نام بھی عطاء اللہ رحمہ اللہ تھا جو کہ قیام پاکستان کے موقع پر ہونے والے ہنگاموں میں شہید ہو گیا تھا۔ اس نسبت سے شاہ جی رحمہ اللہ مولانا کو ابا جی کہا کرتے تھے۔ اور ویسے بھی شاہ جی رحمہ اللہ پر جب بھی انگریز حکومت کی طرف سے کوئی مقدمہ بنتا تھا تب اکثر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ہی صفائی کے گواہ کے طور پر پیش ہوتے تھے۔ شاہ جی رحمہ اللہ اکثر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی کتب حوالہ جات کے لیے لے جایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جی رحمہ اللہ سے بڑا خطیب آج تک ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اندر پیدا نہیں ہوا، کیونکہ شاہ جی رحمہ اللہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے اور فجر کی اذانیں ہو جاتی تب شاہ جی رحمہ اللہ کا خطاب ختم ہوتا تھا۔ آٹھ آٹھ گھنٹے تک شاہ جی رحمہ اللہ کا خطاب جاری رہتا تھا۔

شاہ جی کے بیٹے بابا جی رحمہ اللہ کو ہمیشہ چچا جان کہہ کر بلاتے اور

عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ، شاہ جی رحمہ اللہ کی دعوت پر ربوہ (چناب نگر) بھی جاتے رہے اور یہاں تک کہ جب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چناب نگر میں مسجد ختم نبوت کا سنگ بنیاد رکھا۔ بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ اُس وقت بھی وہاں موجود تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ کی طرف سے پابندی تھی اور ہم لوگ پیدل ہی دریائے چناب میں سے گزر کر چناب نگر پہنچ گئے تھے اب بھی میں نے دیکھا کہ جب بھی شاہ جی رحمہ اللہ کے بیٹوں نے دعوت دی وہ چناب نگر کی سالانہ ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت کرتے اور کئی سال تک ختم نبوت مرکز چیچہ وطنی میں ہونے والی ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت کی اور اکثر میں بھی بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ شاہ جی رحمہ اللہ کے بیٹے سید عطاء اللہ شاہ بخاری بوریوالا کی جامع مسجد ڈی بلاک میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے کے لیے تشریف لائے تو بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور پھر مجھے کہنے لگے چلو چل کر شاہ جی کے بچوں سے مل آئیں۔ میں نے کہا جیسے آپ کا حکم، ہم وہاں ڈی بلاک والی مسجد میں چلے گئے شاہ صاحب نماز جمعہ کے بعد ابھی وہاں ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کارکن نے جا کر شاہ صاحب کے کان میں کہا کہ مولانا عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں، شاہ جی جلدی سے باہر مسجد کے صحن میں آ گئے آ کر بابا جی رحمہ اللہ کا استقبال کیا گلے ملے اور پھر ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمانے لگے میں نے جمعہ کے بعد خود آپ کے پاس آنا تھا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ بابا جی رحمہ اللہ فرمانے لگے میں آپ کے بابا جان شاہ جی رحمہ اللہ کا ہی صدقہ جاریہ ہوں اس لیے سوچا آپ اپنے مریدوں کے درمیان بیٹھ کر شاید ہم فقیروں کو بھول ہی نہ جائیں اس لیے خود ہی چلا آیا ہوں۔ کچھ دیر مجلس رہی پھر ہم واپس آ گئے۔

بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ (مجلس احرار اسلام کے عظیم راہنما) کے بھی بہت قریب تھے اور ملک بھر میں جس جگہ پر بھی ختم نبوت کے موضوع پر جلسے ہوتے وہاں ملاقات ہوتی تھی۔ بابا جی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد

مشترکہ طور پر تمام جماعتوں کی طرف سے قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ کو اور مولانا محمد اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کو خطیب پاکستان کا خطاب ملا اور پھر تمام مکاتب فکر کی طرف سے مشترکہ طور پر شیخ القرآن حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری کو خطیب پاکستان کا خطاب دیا گیا۔

بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مجھے قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ نے خود بتلایا کہ میانوالی جیل کی جس کوٹھری میں غازی علم دین شہید رحمہ اللہ کو بند کیا گیا تھا وہاں مجھے بھی ختم نبوت کا علم بلند کرنے کی وجہ سے حکومت نے گرفتار کر کے کچھ عرصہ کے لیے قید کیا اور پھر جب میں (یعنی قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ) وہاں گیا تو وہاں سے خوشبو آرہی تھی کیونکہ وہاں ایک عاشق رسول ﷺ قید میں رہا تھا، اور پھر اُسی جیل میں اُس کو پھانسی دے دی گئی تھی۔ (بابا جی گورداسپوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں نے ۱۹۲۹ء غازی علم دین شہید رحمہ اللہ کا جنازہ بھی پڑھا اور پھر مجھے میانوالی جیل کی وہ کوٹھری دیکھنے کی بھی توفیق ملی جس میں ایک عاشق رسول ﷺ قید میں رہا تھا میں نے پوچھا بابا جی رحمہ اللہ وہ کیسے؟ فرمانے لگے جب میاں فضل حق رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے اور میں مرکزی ناظم تبلیغ۔ تب ایک بار مرکز کی طرف سے ایک وفد اٹک، خوشاب اور میانوالی شہروں کے دورے پر تھا اور جماعتی احباب جانتے ہیں کہ میاں فضل حق رحمہ اللہ کے سیاسی اور مذہبی اور حکومتی لوگوں سے بہت تعلقات تھے تو میں نے میاں صاحب رحمہ اللہ سے کہا کہ میں میانوالی جیل کی وہ کوٹھری دیکھنا چاہتا ہوں جس میں عاشق رسول ﷺ غازی علم دین شہید رحمہ اللہ کو قید کیا گیا تھا۔ میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنی سی کوشش کر کے جیل سپرٹینڈنٹ سے رابطہ کیا اور پھر میں نے جیل کی کوٹھری دیکھنے کی بھی سعادت حاصل کی یاد رہے کہ غازی علم دین شہید رحمہ اللہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء تک میانوالی جیل میں قید رہے تھے اور وہاں پر ہی اُن کو پھانسی دی گئی تھی۔)

بابا جی رحمہ اللہ نے تقریباً ساری زندگی دین کی تبلیغ کا سفر کیا۔ یہاں

تک کہ جب آپ رحمہ اللہ آخری بار یووالا سے لاہور گئے تو وہ بھی تبلیغ کا ہی سفر تھا۔ بابا جی رحمہ اللہ نے جو آخری جمعۃ المبارک کا خطبہ دیا وہ (جماعت اہل حدیث کی بزرگ شخصیت جن سے میری مراد مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی ہیں) کے شاگرد جماعت کے نامور عالم دین اور نوجوان خطیب مولانا نصیر احمد عثمانی صاحب آف مغل پورہ لاہور کی مسجد میں دیا۔ ہم جماعت کو جب یووالا سے چلے تو مجھے کہنے لگے یا رکسی طرح مجھے مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ کی قبر پر لے چلو۔ میں نے کہا جیسے آپ کا حکم۔ ہم یووالا سے براستہ عارفوالا، پاپتن اور پھر منٹھانوالا (دیپالپور) ضلع اکاڑہ گئے وہاں پر جماعت اہل حدیث کا ایک عظیم ادارہ حافظ عباس صاحب کی سرپرستی میں اور شیخ الحدیث محترم المقام جناب ادلیس اثری صاحب کی زیر نگرانی مسلک اہل حدیث اور اسلام کی تبلیغ میں کام کر رہا ہے وہاں پر ہم نے نماز ظہر ادا کی اور اُس کے بعد بابا جی رحمہ اللہ نے وہاں درس قرآن ارشاد فرمایا، دوپہر کا کھانا بھی وہاں ہی کھایا اور پھر وہاں سے اساتذہ کرام کے ایک وفد کے ساتھ ہم سب مولانا لکھوی رحمہ اللہ کے قبر (تاراسنگھ) پر آئے اور وہاں پر بابا جی نے گاڑی سے اُتر کا نہایت درد دل سے مولانا لکھوی رحمہ اللہ اور اُن کے خاندان کے باقی افراد جو وہاں مدفون ہیں کے لیے دعا کی۔ پھر ہم لوگ لاہور آ گئے رات علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں قیام کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد مولانا نصیر احمد عثمانی صاحب کے پاس چلے گئے۔ بابا جی رحمہ اللہ نے جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر دعا کی اور واپس اپنی قیام گاہ میں آ گئے۔ جب ہم کھانا کھانے کے لئے چلے تو پتہ چلا کہ مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں اور کھانا مل کر ہی کھائیں گے۔ مولانا تشریف لائے ملاقات ہوئی اور پھر اکٹھے مل کر کھانا کھایا، ہم وہاں سے فیصل آباد کی طرف چل دیے کیونکہ اگلے دن یعنی ہفتے والے دن بابا جی نے مامونک انجن کی کانفرنس میں شرکت کرنا تھی، جب ہم لاہور سے نکلے تو میں نے سوچا کہ براستہ موڑوے فیصل آباد کو چلتے ہیں لیکن کہنے لگے نہیں جی ٹی روڈ سے چلو شیخوپورہ سے ہو کر جانا ہے کیونکہ مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہ اللہ کے

پٹرول پمپ پر نماز کے لیے رکے تو وہاں پر مولانا پروفیسر یاسین ظفر صاحب، مولانا یونس بٹ صاحب اور دیگر احباب سے ملاقات ہوگئی یہ سب ماموں کا نجن سے واپس آ رہے تھے اور ہم وہاں جا رہے تھے بابا جی رحمہ اللہ نے فرداً فرداً سب کا حال پوچھا۔ سب کے لیے دعا کی اور ہم رخصت ہو گئے۔

ماموں کا نجن پہنچے تو گاڑی سے اتر کر سب سے پہلے صوفی عبداللہ رحمہ اللہ کی قبر پر گئے اور دعا کی۔ پھر دفتر میں آگئے لوگ جوق در جوق بابا جی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے آ رہے تھے اور بابا جی رحمہ اللہ سب کو دعا دے کر رخصت فرما رہے تھے۔ ماموں کا نجن کی سالانہ مرکزی کانفرنس اس مرتبہ بابا جی رحمہ اللہ کی ہی زیر صدارت منعقد کی جا رہی تھی۔ کانفرنس میں خطبہ صدارت چونکہ پرنٹ کروا کر لے گئے تھے اس لیے وہ بابا جی کے پوتے نے پڑھ دیا تھا۔ خطبہ صدارت پڑھنے کے بعد مائیک کو بابا جی رحمہ اللہ کے پاس لا کر رکھ دیا گیا اور دعا کی درخواست کی گئی، بابا جی رحمہ اللہ نے سب کو سلام کہا اور ایک شعر پڑھنے کے بعد سب حضرات کے لیے دعا کی، پھر ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔ بابا جی رحمہ اللہ کی دعا کے بعد محترم جناب ڈاکٹر فضل الہی صاحب اسلام آباد کا خطاب تھا لیکن وہ اُس وقت تک چپ کھڑے بابا جی رحمہ اللہ کو دیکھتے رہے جب تک بابا جی رحمہ اللہ کو جماعتی احباب نے اسٹیج سے رخصت نہیں کر دیا، میری نظر میں یہ ڈاکٹر فضل الہی صاحب کا بابا جی رحمہ اللہ کو خراج تحسین تھا جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ بابا جی رحمہ اللہ کو فیصل آباد شہر کے ساتھ بہت ہی پیار تھا کیونکہ وہاں ہمارے خاندان کے اکثر افراد رہائش پذیر ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فیصل آباد میں ہمارے پرداد یعنی بابا جی رحمہ اللہ کے والد محترم کی اولاد میں سب سے زیادہ لوگ فیصل آباد میں ہی آباد ہیں۔ اس لیے ہفتے بعد نہیں تو مہینے میں ایک دو بار وہاں جانا لازمی ہوتا۔ اور جب بھی وہاں جاتے تو جامعہ سلفیہ فیصل آباد کو خصوصی رونق بخشتے تھے اور درس قرآن بھی ارشاد فرماتے تھے۔ جامعہ کے جملہ اساتذہ کرام اور طلباء بھی بابا جی رحمہ اللہ سے ملاقات کر کے خوشی کا اظہار کرتے اور جامعہ کے

بیٹے عزیز الرحمان کی بیوی وفات پا گئی ہے اُس کی تعزیت کر کے جانا ہے۔ میں نے کہا جیسے آپ کا حکم، ہم لاہور سے شیخوپورہ کی طرف آگئے تو میں نے پوچھا اب کہاں جانا ہے یعنی چچا جی مولانا عزیز الرحمان صاحب کے پاس مسجد میں جانا ہے یا مدرسہ میں جانا ہے؟ کہنے لگے مدرسہ میں چلو وہاں پر بچوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور گھر میں ہوگا۔ جمعہ کا دن ہے وہاں شاید مولوی عزیز الرحمان کہیں باہر گیا ہوا ہوگا۔ ہم مدرسہ میں چلے گئے وہاں پر مولانا عطاء الرحمان رحمہ اللہ کے بچے ملے بہت خوش ہوئے کہ بابا جی تشریف لائے ہیں، انہوں نے سب کو ٹیلی فون کر دیے اور چند ہی منٹوں میں باقی سب تو تشریف لے آئے لیکن چچا جی مولانا عزیز الرحمان صاحب تشریف نہ لاسکے وہ آ رہے تھے کہ راستے میں اُن کا موٹر سائیکل خراب ہو گیا جس کی وجہ سے وہ آخری بار بابا جی رحمہ اللہ سے ملاقات سے محروم رہ گئے۔ ہم نے تھوڑی دیر انتظار کیا تب تک چائے وغیرہ آگئی سورج غروب ہونے کا وقت قریب تھا کہ میں نے کہا بابا جی رحمہ اللہ اب چلیں اندھیرا زیادہ ہو گیا تو راستے میں ٹریفک کی وجہ سے گاڑی چلانے میں دشواری ہوگی۔ بابا جی رحمہ اللہ نے پیشاب کرنا تھا تو اُٹھ کر چل دیے لیکن چچا جی عطاء الرحمان رحمہ اللہ کے بچے بابا جی کو گھر میں لے گئے کہ گھر والے کہتے ہیں بابا جی رحمہ اللہ آئے ہیں ہمیں پیار ہی دے جائیں۔ بابا جی رحمہ اللہ اندر چلے گئے اور پھر وہاں سے ہم فیصل آباد کے طرف روانہ ہو گئے۔ رات کو وہاں قیام کیا صبح اُٹھے تو ابھی ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ جماعت کے بزرگ راجنما عظیم عالم دین مولانا یوسف انور صاحب کو پتہ چلا، ملاقات کے لئے گھر تشریف لے آئے۔ کافی دیر تک مجلس قائم رہی، جماعتی نظم، جماعتی احباب اور اکابرین کا تذکرہ ہوتا رہا پھر ظہر کی نماز کے بعد ہم ماموں کا نجن کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں سمندری چلے گئے، وہاں بابا جی رحمہ اللہ کے اُستاد مولانا عطاء اللہ شہید رحمہ اللہ کے جانشین ڈاکٹر خالد ظفر اللہ صاحب کے پاس دوپہر قیام کیا۔ شام تک مجلس قائم رہی۔ بزرگوں کا تذکرہ شروع ہو گیا تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ مغرب کے قریب ہم وہاں سے روانہ ہوئے راستے میں ایک جگہ

پندرہ سال تک ضلع ملتان کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر بھی رہے جس ضلع ملتان میں اب پانچ ضلع بن گئے ہیں وہ ایک عرصہ تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع وہاڑی کے سرپرست رہے وہ مرکزی مجلس شوریٰ اور مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر بھی رہے۔ بورے والا اور گردو نواح کی مساجد و مدارس بنے تو انھوں نے ان اداروں کی تعمیر میں نہ صرف بھرپور کردار ادا کیا، بلکہ اپنی ذاتی جیب سے بھی حصہ ڈالا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم نعمانی صاحب رحمہ اللہ اور دیگر جماعتی احباب کے ساتھ مل کر انہوں نے قائدانہ صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے مکرین ختم نبوت اور قادیانیوں کے ناک میں دم کئے رکھا۔ بلاشبہ وہ خطیب ختم نبوت تھے۔ وہ جہاں مجاہد ختم نبوت تھے وہاں اسیر ختم نبوت بھی تھے اور ان سب سے بڑھ کر وہ خادم خاتم النبیین ﷺ بھی تھے۔

بچوں کے ساتھ ہمیشہ شفقت سے پیش آتے اور بزرگوں کا تذکرہ نہایت احترام سے کیا کرتے۔ یوریا والا شہر اور ضلع وہاڑی کی امن کمیٹی کے تاحیات ممبر رہے، تمام مسالک کے لوگوں کے نزدیک احترام کے لائق تھے۔ مجھے یاد ہے ایک بار وہاڑی میں صوبائی وزیر برائے مذہبی امور کی زیر صدارت محرم الحرام میں امن وامان کے سلسلہ میں ایک اجلاس تھا، سب حضرات نے اپنی اپنی باری پر اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا، باباجی چپ بیٹھے سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ صوبائی وزیر صاحب فرمانے لگے باباجی آپ بھی کچھ فرمائیں، باباجی نے سب کو سلام کہا اور پھر درود پاک پڑھنے کے بعد فرمانے لگے محترم وزیر صاحب آپ اپنے عملہ میں سے کچھ لوگوں کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ ہر مولوی صاحب کا خطبہ جمعہ اور واعظ کو ٹیپ کریں اور پھر اُس کو قرآن و حدیث کی لیبارٹری میں چیک کریں جس کا واعظ یا خطبہ قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو، اُس کو وہی سزا دیں جو آپ ملاوٹ کرنے والوں کو دیا کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ دین میں ملاوٹ کرتے ہیں اور امن وامان کو خراب کرتے ہیں اور جب تک یہ مولوی حضرات اپنے واعظ میں قرآن اور حدیث کا بیان نہیں کریں گے تب تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر علماء کرام کو مخاطب کر کے فرمانے لگے معزز علماء اکرام یاد رکھیں اس لاوڈ

پرنسپل محترم جناب پروفیسر یاسین ظفر صاحب کے ساتھ دفتر میں باقی احباب جماعت کے ساتھ مل کر خصوصی چائے پلاتے تھے۔

باباجی رحمہ اللہ کا ایک اپنا ذاتی مکان بھی جامعہ سلفیہ کی مغربی جانب والی گلی میں ہے جہاں کبھی ہم لوگ رہا کرتے تھے جب باباجی رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے جن سے میری مراد پروفیسر محمد سلیمان انظہر (المعروف ڈاکٹر بہاء الدین) جامعہ سلفیہ کے غیر ملکی طلباء کو بنیادی انگلش اور اردو زبان کے بارے میں لیکچر دیا کرتے تھے جس سے اُن طلباء کو اپنے تعلیمی امور سرانجام دینے میں آسانی پیدا ہو جاتی تھی کیونکہ اُن طلباء کو نہ ہی انگلش آتی تھی اور نہ ہی اردو۔ اور یہ سب انتظام جامعہ سلفیہ کے روح رواں جناب محترم میاں فضل حق صاحب رحمہ اللہ کی کوشش اور لگن کی وجہ سے تھا۔

باباجی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں ضلع ملتان کی جماعت کا امیر تھا تب ضلع ملتان کے لوگوں نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی بنیاد رکھنے میں بھرپور حصہ لیا، گوجرانوالا شہر، ضلع گوجرانوالا اور احباب فیصل آباد کے ساتھ ساتھ ضلع ملتان نے بھرپور تعاون کیا تھا، سب سے پہلے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں حاجی عبدالعظیم خاں فیروز پوری رحمہ اللہ اور حاجی اللہ بخش پٹیلوی رحمہ اللہ نے (جو خانیوال ضلع ملتان کے رہنے والے تھے) نے ایک ایک کمرہ تعمیر کروایا جس پر اُس وقت بیس ہزار روپے لاگت آئی، اور جامعہ سلفیہ کی لائبریری کے ہال کے لیے حضرت مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے کہنے پر باباجی رحمہ اللہ کی ترغیب پر مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ (سابق چیف جسٹس ریاست فرید کوٹ جو کہ اُس وقت بورے والا میں مقیم تھے) نے دس ہزار روپیہ دیا اور یہ وہی مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جن کا شمار مرکزی جامع مسجد بوریا والا کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ اُس کے بعد ضلع ملتان نے ایک ہزار سالانہ ممبر بنائے جو کہ پچیس روپے سالانہ چندہ دیتے تھے اور اس طرح سے ہر سال پچیس ہزار روپیہ سالانہ ضلع ملتان، جامعہ سلفیہ فیصل آباد کو چندہ دیا کرتا تھا۔ جس کی پوری تفصیل اُس وقت کے مرکزی جماعتی اخبار ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوا کرتی تھی۔

آپ صبح کا سورج تو طلوع ہونے دیں پھر دیکھنا حالات کیا ہوتے ہیں۔ اور پھر واقعی چشم فلک نے دیکھا کہ بزرگوں کے جنازے ایسے ہی اٹھا کرتے ہیں۔

بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر کارکنان مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، قائدین و کارکن مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم اعلیٰ اور دیگر اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث انڈیا، مولانا عارف جاوید محمدی صاحب اور دیگر احباب جماعت اہل حدیث کو بیت، اور سعودی عرب کی جماعت اہل حدیث نے ہم سب سے تعزیت کی اور بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا بھی کی۔ میں اُن سب حضرات کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں شرکت کی اور تعزیت کے لیے گھر تشریف لائے۔

شاعر جماعت مولانا علیم ناصری رحمۃ اللہ علیہ کی اس دعا کے ساتھ ع
میرے بھائی کی ہو سب اولاد یا رب شادمان
ان پہ برسا رحمتیں اے مالک کون و مکان

اسپیکر کی آواز صرف ایک گھر میں نہیں جاتی۔ اس کی آواز اہل حدیث کے گھر میں بھی جاتی ہے، اس کی آواز دیوبندی حضرات، اہل سنت و الجماعت کے گھر، اور شیعہ کے گھروں میں بھی جاتی ہے، اس لئے اس سے ایسی آواز میں وعظ کریں جو سب کو اچھی لگے۔ جس سے سب کو سکون اور راحت محسوس ہو۔

بابا جی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سنت ابراہیمی کی متابعت کرتے ہوئے اپنی اولاد کو دین سے وابستہ رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اسی لیے آج ان کی نیک اولاد میں حافظ قرآن بھی ہیں، فاضل مدینہ یونیورسٹی بھی ہیں، ڈاکٹر بھی ہیں، پروفیسر بھی ہیں اور مورخ جماعت جیسی علمی شخصیات بھی شامل ہیں۔

بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کے بارے میں ایک واقعہ جو مجھے اہل حدیث یوتھ فورس کے ایک کارکن نے بتلایا تھا آپ سب کے سامنے رکھتا ہوں کہ جب جنازہ کا انتظام کیا جا رہا تھا تو ایک سیاسی لیڈروہاں تشریف لائے اور کارکنوں کو کہنے لگے کہ گرمی کا موسم ہے آپ نے انتظام زیادہ کر لیا ہے لوگ کم ہی آئیں گے تو اُس کارکن نے کہا جناب

اعلان داخلہ

دینی اور عصری علوم کے حسین امتزاج کا منفرد ادارہ

مرکز ابن مسعود الاسلامی
(ابن مسعود اسلامک سنٹر)

والدین اپنے بچوں کے روشن مستقبل اور بہترین تعلیم و تربیت کیلئے
مرکز ابن مسعود اسلامی کا انتخاب فرمائیں۔

محدود نشستیں

خصوصیات و امتیازات

- پانچ سالہ درس نظامی ○ ایف۔ اے، بی۔ اے کی تعلیم (لازمی) ○ کمپیوٹر تعلیم ○ محنتی اور قابل سٹاف ○ پرسکون اور صاف ستھرا تعلیمی ماحول
- نحو و صرف کے اجراء اور ادب و انشاء کی طرف خصوصی توجہ ○ طلباء کی تقریری و تبلیغی تربیت کیلئے ہفتہ وار بزم ادب اور ماہانہ مناظرہ و مقابلہ جات کا اہتمام
- پرسکون لائبریری اور اخبارات و رسائل کا انتظام ○ درسی کتب کی مفت فراہمی و علاج معالجہ ○ بہترین معیاری قیام و طعام کا انتظام
- لوڈ شیڈنگ کا متبادل انتظام ○ کھیل اور سیر و تفریح کیلئے وسیع و عریض پارک ○ پہلے بیچ میں 31 طلباء کی خوش اسلوبی سے کامیاب فراغت
- نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلباء کے لیے خصوصی انعامات اور ماہانہ سکالرشپ
- وفاق المدارس کے امتحانات کا اہتمام

مولانا محمد شفیق مدنی (مدیر)

J3/504 جوہر ٹاؤن نزد ایکسپریس سٹریٹ لاہور

0300-4458717, 0331-4597493

ایڈریس
رابطہ

میٹرک پاس یا میٹرک کے امتحان سے فارغ طلباء داخلہ کے اہل ہیں۔

داخلہ 20 مئی 2013ء تک جاری رہے گا۔

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دوشخوں کا آنا ضروری ہے

۳۲

اہل حدیث ایک صفاتی نام

مصنف: حافظ زبیر علی زئی ضخامت: ۱۵۶ صفحات

ناشر: مکتبہ اسلامیہ، رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

نبی کریم ﷺ کی امت سے وابستہ لوگ جنہوں نے کلمہ توحید کا اقرار کیا وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ صرف مسلمان کہلوانا اور اپنے علاوہ دوسرے کو مسلمان نہ سمجھنا کافی نہیں۔ بعض چیزوں کی صفت سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ چیز کیسی ہے۔ صرف لوہے کو لوہا کہہ دیں تو کافی نہیں۔ اس سے تالے، چھریاں، دروازے، چارپائیاں وغیرہ بنتی ہیں۔ لوہے کی چیز کو اس کے صفاتی نام سے پکارنے پر لوہا نہیں رہے گا بلکہ نام لینے سے وہ چیز جیسی سمجھا جائے گا جو لوہے سے بنی ہے۔

مسلمان کہلوانے کے لیے ہم سب کے سامنے شیعہ بھی ہیں، دیوبندی بھی ہیں، بریلوی بھی ہیں، حتیٰ کہ مرزائی اور جماعت المسلمین

تک کے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں۔

اہل حدیث بھی مسلمان ہیں۔ اہل حدیث ان کا صفاتی نام ہے۔

اہل حدیث توحید رب العالمین کا اقرار کرتے ہیں اور نبی آخر

الزماں ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب محترم حافظ محمد زبیر علی زئی صاحب کی تصنیف ہے۔

بعض لوگ ”اہل حدیث“ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کا تمسخر

اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ”اہل حدیث“ پر کیے گئے اعتراضات

واشکالات کا مؤثر جواب اس کتاب میں مدلل انداز سے دیا گیا ہے۔

یہ کتاب اہل حدیث کے منہج و دعوت کو سمجھنے اور غیر اہل حدیث

حضرات کی نسبتیں پر کھنے کے لیے بھی مدد و معاون ہو سکتی ہے۔ کمپیوٹر

کمپوزنگ، عمدہ سفید کاغذ اور خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ مضبوط جلد

کی گئی ہے۔ اللہ کریم مصنف و ناشر کی محنت قبول فرمائے، آمین۔

ضرورت رشتہ

خوبرو بیٹی عمر ۲۰ سال، قد پانچ فٹ چھ انچ، تعلیم بی اے، بی ایڈ، ایم اے اسلامیات، درس نظامی پاس، مسلک اہل حدیث، ملک برادری (تیلی) خوش حال گھرانہ کے لیے برسر روزگار، کاروباری لڑکا جس کی ذاتی رہائش کا ہونا ضروری ہے۔ مسلک اہل حدیث ہونا ضروری ہے۔ ملک برادری، کھوکھر، اعوان، لاہور شیخوپورہ، فیصل آباد، جڑانوالہ کے رہائشی ہم پلہ لڑکوں کے والدین رابطہ کریں۔

(رابطہ کے لیے فون: 0345-4209248)

اعزاز

کلیہ عائشہ صدیقہ للبنات اہل حدیث جھراں ضلع شیخوپورہ کی تین طالبات: (۱) حمہ نوشین بنت حافظ محمد ایوب خالد، (۲) حافظ شمیم، (۳) خدیجہ سلطان نے علی الترتیب سیکنڈ، تھرڈ اور سترنی صد نمبر لے کر وفاق جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد سے پوزیشنیں حاصل کی ہیں۔ ان طالبات کو جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں حکومت پنجاب کی طرف سے ایک تقریب میں رئیس جامعہ جناب حکیم حامدا شرف نے لیپ ٹاپ عطا کیے ہیں۔ اس اعزاز پر ہم حکومت پنجاب اور ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے عصری مدارس کے ساتھ ساتھ اسلامی مدارس کے لیے بھی حوصلہ افزائی کی۔

(حافظ عبدالرحمن بن حافظ محمد ایوب خالد، جھراں ضلع شیخوپورہ)

تلمیحات

کوئی شعلہ نوا اُٹھے، کوئی درد آشنا نکلے
کبھی تو دامن صرصر سے بھی موج صبا نکلے
غزل کی موج ہو ویرانی حالات سے پیدا
شکستہ ساز ہی سے اک صدائے دل کُشا نکلے
سفینوں سے کہو، موجوں سے راہِ دوستی مانگیں
کبھی طغیانوں کی گود سے بھی نا خدا نکلے
ستاروں کے نشیمن پر کمندیں پھینکنے والو
کبھی سوچا ہے تم اس دور میں پرکھا تو کیا نکلے
شکایت سب غلط، لیکن حکایت ہے تو بس یہ ہے
بہت سے لوگ اپنے دوستوں میں بے وفا نکلے
نہ جانے کس لیے کہرام سا ہے کاروانوں میں
کوئی میر چمن اُٹھے، کوئی نغمہ سرا نکلے
بھیانک ہو چکے ہیں رہزنوں کے خشکیں چہرے
ضروری ہے کہ ان حالات میں اک راہنما نکلے

(شورش کاشمیری)